## مجلس ادارت



---

## معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسّی (۸۰) روپیے

پاکستان میں سالانہ دو سو (۲۰۰) روپیے — فی شمارہ سات (۷) روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ

ہوائی ڈاک بیس (۲۰) پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات (۷) پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ : حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس. ایم. کالج. اسٹریچن روڈ. کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں. بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY**
**AZAMGARH**

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے. اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے. اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا.
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں.
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی.
کمیشن ۲۵٪ ہوگا. رقم پیشگی آنی چاہیے.


جلد ۱۶۶ ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۲۰۰۰ء عدد ۶


## فہرست مضامین

# شذرات

الفاروق علامہ شبلی نعمانیؒ کی بہت ممتاز اور بڑی مقبول تصنیف ہے، یہ ایک صدی سے بھی پہلے ۱۸۹۸ء میں لکھی گئی تھی مگر ابھی تک نہ اس کی شادابی اور تروتازگی میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ اس میں لونی اور پھپھوند لگی ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ کے موجودہ سربراہ پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی علامہ شبلیؒ کے پایہ شناس اور ان کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے قدرداں ہیں، اس لئے ان کو ۱۹۹۸ء ہی سے اس تاریخ ساز کتاب پر ایک علمی مذاکرہ کے انعقاد کا خیال دامن گیر تھا، جس میں اس سال کامیابی ہوئی اور علامہ کی وفات کی مناسبت سے ۱۸ اور ۱۹ / نومبر کو الفاروق پر ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ کے زیر اہتمام ایک سمینار ہوا۔

افتتاحی جلسے کی صدارت پروفیسر نجات اللہ صدیقی نے کی اور اس کا افتتاح کرتے ہوئے مولانا سید محمد رابع ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے فرمایا کہ اس تاریخ ساز کتاب نے اسلامی تاریخ کی عظمت کو دھندلا ہونے اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار سے بچالیا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا احساسِ شکست خوردگی ختم کردیا، مقالات کے سات جلسے مختلف اہل علم کی صدارت میں ہوئے، مقالات کے تنوع کا اندازہ بعض عنوانات سے ہوگا، الفاروق میں حضرت عمرؓ کی فوجی عبقریت (پروفیسر احتشام احمد ندوی) الفاروق دور جدید کی ضرورت (ڈاکٹر قیصر حبیب) الفاروق میں حضرت عمرؓ کے فقہی مباحث (ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی) شبلی کی تاریخ نویسی کے اصول الفاروق کے حوالے سے (پروفیسر یسین مظہر صدیقی) الفاروق اور عربی کتب سیرت فاروقی (ڈاکٹر صلاح الدین عمری) اسلامی ریاست الفاروق کے حوالے سے (مولانا نظام الدین اصلاحی) سوانح نگاری کے بنیادی اصول اور علامہ شبلیؒ (حکیم الطاف احمد اعظمی) معاصرین شبلی اور الفاروق (پروفیسر محمود الحق) الفاروق کے معاشی مباحث (ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی) حضرت عمرؓ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب (ڈاکٹر عبدالعلی) الفاروق کے ماخذ (ڈاکٹر جمشید ندوی) راقم اور اس کے رفیقِ سفر ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے الفاروق کا تجزیاتی مطالعہ اور الفاروق کے دوسری زبانوں میں ترجمے کے عنوان سے مضامین پڑھے۔

۲۲ تا ۲۴ / نومبر کو "داراشکوہ اور اس کی عصری معنویت" کے موضوع پر شعبۂ فلسفہ علی گڑھ یونیورسٹی نے انڈین کونسل آف فلاسفیکل ریسرچ نئی دہلی کے تعاون سے ایک نیشنل سمینار کیا



جس کا افتتاح جناب حامد حسن وائس چانسلر نے کیا، انہوں نے اور ڈین فیکلٹی آف آرٹ اور سمینار کے ڈائرکٹر پروفیسر محمد رفیق نے اس موضوع کی اہمیت بتائی پھر تین روز تک مقالات کے جلسے ہوئے جس میں ملک کی متعدد یونیورسٹیوں کے فضلاء کے علاوہ امریکہ، جاپان اور بنگلہ دیش کے مندوبین نے مقالے پڑھے، راقم نے "داراشکوہ اور اس کا ملا جلا مذہب" کے عنوان سے مقالہ پڑھا اور ایک جلسہ کی صدارت کی، یہ سمینار بہت کامیاب رہا، اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر ہر مقالے پر کافی بحث و تمحیص ہوتی تھی جس کی وجہ سے مقالوں کے خوب و زشت کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا تھا۔

۲۵ / نومبر کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے زیر اہتمام انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں ایک سمپوزیم ہوا جس کا موضوع "اکیسویں صدی میں تعلیم کے چیلنجز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا رول" تھا، اس کا پہلا سیشن جناب ظفر سیف اللہ سابق کابینہ سکریٹری حکومت ہند کی اور دوسرا جناب سید حامد کی صدارت میں ہوا، بحث و گفتگو میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ ہمدرد دہلی اور امبیڈکر یونیورسٹی کے وائس چانسلروں اور دہلی اور بعض دوسرے مقامات کی سرکردہ شخصیتوں نے حصہ لیا جن میں سید مظفر حسین برنی، پروفیسر نامور سنگھ اور پروفیسر فیجر پانڈے وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، اس پر اتفاق تھا کہ روایتی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے اور علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دی جائے البتہ طلبہ کی روٹی روزی کے پیش نظر ہندی اور انگریزی کی تعلیم لازمی کی جائے، اسی سلسلے میں اردو کتابوں کی فراہمی اور ترجمے کی دشواری پر بھی غور و خوض ہوا، کہا گیا کہ اردو سیکولر اور ملک کی ہر قوم کی زبان ہے، اس کو صرف مسلمانوں کی زبان ہونے سے بچایا جائے مگر چانسلر جناب اندر کمار گجرال نے کہا اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے، گجرال کمیٹی کے تشکیل کے وقت اور موجودہ زمانے کے حالات میں بڑا فرق ہوگیا ہے اور اردو کے حق میں اب فضا بہتر ہوئی ہے، شروع میں اردو یونیورسٹی کی پیش رفت کو تصویروں سے دکھایا گیا جس کی وضاحت پروفیسر شمیم جیراجپوری وائس چانسلر نے بڑی خوبی سے کی، حاضرین نے یونیورسٹی کی اب تک کی کارکردگی پر بڑا اطمینان ظاہر کیا اور وائس چانسلر اور ان کے عملہ کو مبارک باد دی لیکن جنوبی ہند کے مقابلے میں شمالی ہند میں یونیورسٹی کی کارگزاری پر تشویش ظاہر کی، اتر پردیش کی خراب حالت کا ذکر آیا تو برنی صاحب نے فرمایا کہ ہم یہاں اردو کی لڑائی ہار چکے ہیں، وائس چانسلر نے بجٹ کی شکایت کی جس کی وجہ سے یونیورسٹی کے کام

میں بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔

بڈھریا ضلع اعظم گڑھ کا مشہور گاؤں اور مولانا اقبال احمد خاں سہیل اور مولانا وحید الدین خاں مدیر الرسالہ کا وطن ہے، اب اس خاندان کے لوگوں نے یہاں انگلش میڈیم ایک گرلس کالج قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس کے لئے اپنی جائداد اور زمین وقف کرنے کا اعلان کیا ہے، تعلیم و تعمیر کا ابتدائی کام شروع ہوگیا ہے، ۲/ نومبر کو اس کے افتتاحی پروگرام میں شرکت کی عزت مجھے بھی بخشی گئی، شہر اور قصبہ سے دور ایک گاؤں میں اتنے بڑے تعلیمی ادارے کے قیام کے خیال سے منتظمین کے ولولہ و حوصلہ اور تعلیم سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے لیکن راقم نے اپنے خطاب میں عرض کیا تھا کہ ماہرین تعلیم کا اتفاق ہے کہ مادری زبان میں ابتدائی تعلیم ہونی چاہیئے اور مولانا سہیل جیسے ممتاز اردو شاعر و ادیب کے منتسبین سے اسی کی توقع بھی ہے، اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جو قوم تعلیم میں اس وقت سب سے زیادہ پس ماندہ ہوگئی ہے اس کے بچے اس ادارے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

افسوس ہے کہ اردو کے بلند پایہ ادیب و محقق اور لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو پروفیسر نور الحسن ہاشمی ۲۸/ نومبر کو وفات پاگئے، اردو کے علاوہ ان کو ہندی، اودھی، انگریزی اور فارسی زبانوں پر بھی پوری دسترس تھی، اردو کی کئی کلاسیکل کتابیں تحقیق و تدوین کے بعد شائع کیں جن میں نوطرز مرصع، بکٹ کہانی، کلیات ولی اور قدیم روزنامچہ قابل ذکر ہیں، ان کی سب سے اہم علمی، ادبی اور تحقیقی کتاب "دلی کا دبستان شاعری" ہے، انہوں نے غالب کے کلام کا اودھی میں منظوم ترجمہ بھی کیا تھا اور "اندرونم" کے نام سے ان کا مجموعہ کلام بھی شائع ہوا تھا، مرحوم نیک اور خاموش طبع تھے اس لئے علمی قابلیت کے باوجود زیادہ شہرت نہیں حاصل کرسکے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے آمین۔

یہ سطریں لکھی جاچکی تھیں کہ وزیر اعظم نے رام مندر اور بابری مسجد کے انہدام میں **نامزد ملزم** اپنے تین وزراء کی صفائی میں بیان دے کر سب کو محو حیرت کردیا، وہ رہ رہ کر ایسے شرمناک اور غیر ذمہ دارانہ بیان دینے کے عادی ہوگئے ہیں جو ایک سیکولر ملک کے وزیر اعظم کے لئے سخت نازیبا ہیں، کاش ملک کی سیکولر جماعتیں اب سے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتیں۔

---



## مقالات

# امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

از جناب مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی صاحب ٭

(۲)

**مراسیل** خیر القرون (۱صحابہؓ ۲۔تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں صحابہ اکابر تابعینؒ، تبع تابعینؒ ائمہ متبوعینؒ۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، مرسل حدیث کو حجت اور قابل استدلال مانتے تھے، ایک جلیل القدر تابعی جس نے سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، سنا بھلا وہ کتنوں کا نام لے کر بیان کرے گا۔

تعجب اس امر پر ہے کہ ایک مجتہد جو تابعی فقیہ اور حجت ہے، اس کے قول پر حلال و حرام میں اعتماد کیا جاتا ہے، ائمہ فن حدیث و آثار ان فقہائے مجتہدین کا مذہب نقل کرنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، چنانچہ مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور خاص طور سے جامع الترمذی میں ان فقہائے امصار کا مذہب اور فتوے مذکور و منقول ہیں اور ان کی رائے اور مذہب کو نقل کرنا جامع الترمذی کے خصائص میں سے شمار کیا جاتا ہے، ایسے فقہائے امصار اگر ارسال کرتے اور سند بیان نہیں کرتے صحابی کا نام نہیں لیتے، ایسے قابل حجت و مستند ائمہ کے قول پر اعتبار و اعتماد کرنے سے گریز کیوں کر حق بجانب کہا جاسکتا ہے؟ یہ تضاد حیرت کا باعث ہے۔ چنانچہ حسن بصریؒ (۲۱-۱۱۰ھ/ ۶۴۲-۷۲۸ء) جیسے مجتہد جن کے متعلق ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کا بیان ہے:

---

٭ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان۔

الحسن بن ابی الحسن أدرک خمس مائة من الصحابة [1]

حسن بن ابی الحسن بصریؒ نے پانچ سو صحابہؓ کو پایا ہے۔

ذرا غور فرمائیں وہ روایت بیان کرتے وقت کن کا نام بتائیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ ابراہیم نخعیؒ (۴۶ - ۹۶ = ۶۶۶ھ/۷۱۵ء) ۱- جلیل القدر تابعی، ۲- اپنے زمانے کے سب سے بڑھ کر مجتہد، ۳- صیرفی الحدیث [2] (حدیث کی پرکھ رکھنے والے اور کھرے کھوٹے کو جاننے والے) چنانچہ فقیہ کوفہ ابراہیم نخعی (۴۶ - ۹۶ھ = ۶۶۶ - ۷۱۵ء) کا معمول مرسل روایت کرنا تھا۔ امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ "کتاب العلل" میں حضرت اعمش المتوفی ۱۴۸ھ کا جو امام من ائمة الحدیث" ہیں [3] بیان نقل کرتے ہیں:

"حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کی: آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند سے مجھے حدیث بیان فرمائیں تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ جب میں تم سے کہوں "حدثنکم رجل عن عبداللہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہ ایک روایت مجھے حضرت عبداللہ کے شاگرد کے واسطے سے پہنچی ہے اور جب میں "قال عبداللہ" کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے شاگردوں کے واسطے سے پہنچی ہے۔" [4]

یاد رہے خیر القرون کے تمام ائمہ فن مرسل روایت سے دلیل پیش کرتے تھے جیسے سفیان ثوریؒ

---

[1] علی بن حزم الاندلسی۔ الاحکام فی اصول الاحکام، مصر۔ مطبعة السعادة، ۱۳۴۵ھ ج ۲ ص ۷۰ [2] معرفة علوم الحدیث ص ۱۶ [3] ایضاً ص ۱۱ [4] محمد بن عیسیٰ الترمذی۔ سنن الترمذی (کتاب العلل)۔ کراچی۔ میر محمد ب ت، ج ۲ ص ۳۹۵۔ کتاب العلل کے ہندوستانی اور پاکستانی مطبوعہ نسخوں میں مذکورۂ بالا عبارت صحیح نہیں چھپی ہے ہم نے دوسری کتابوں سے توضیح میں چند الفاظ بڑھا کر عبارت کو درست کیا ہے الطبقات الکبریٰ، ج ۶ ص ۲۷۲۔



مالکؒ اور اوزاعیؒ، تا آنکہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس امر میں ان کی پیروی کی، عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جس کے خیر و برکت ہونے کی خبر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس زمانے میں تمام فقہائے امصار و ائمہ حدیث کا مرسل روایت سے حجت پیش کرنے پر اجماع و اتفاق ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان ہے:

"تمام تابعین کا مراسیل کے قبول کرنے پر اجماع ہے نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دو سو برس تک ان کے بعد کے کسی امام سے مراسیل کا انکار مروی ہے، یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں جس کی خیر و برکت کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔" [1]

اب عہد تابعین میں حضرت سعید بن المسیبؒ کی مراسیل کو قابل حجت قرار دینا اور دیگر ائمہ تابعین کی مراسیل کو قبول کرنے سے انکار کرنا کیا اصول انصاف کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے؟

چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ "شرح معانی الآثار" میں رقم طراز ہیں:

"پس اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے سعید بن المسیب (۱۳ - ۹۴ھ = ۶۳۴ - ۷۱۳ء) کی روایت کو اگرچہ وہ منقطع و مرسل ہے قبول کیا، اس لئے کہ ان کی منقطع و مرسل روایت متصل روایت کے قائم مقام ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے سعید بن المسیبؒ کی مرسل و منقطع روایت کی تخصیص کا حق کس نے دیا اور ان کے ہم پایہ مدینہ کے اور علماء کی مرسل و منقطع روایت قبول نہ کرنے سے کس نے روکا، جیسے ابو سلمہؒ، (۲۲ - ۹۳ھ = ، عروۃؒ (۰۰۰ - ۱۰۶ھ = ۰۰۰ - ۷۲۵ء) سالمؒ (۰۰ - ۱۰۴ھ = ۷۲۳ء) ۶۴۳ - ۷۱۲م) اور سلیمان بن یسارؒ (۳۴ - ۱۰۷ھ = ۶۵۴ - ۷۲۵ء) ہیں اور شعبیؒ، (۱۹ - ۱۰۳ھ = ۶۴۰ - ۷۲۱ء) اور ابراہیمؒ (۴۶ - ۹۶ھ = ۶۶۶ - ۷۱۵ء) اور ان کے

---

[1] محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید۔ القاہرۃ، مکتبۃ الخانجی ۱۳۶۶ھ۔ ج ۱ ص ۲۹۱۔

ہمسر کوفی علماء ہیں، حسنؒ (۲۱-۱۱۰ھ = ۶۴۲-۷۲۸ء) اور ابن سیرینؒ (۳۲-۱۱۰ھ = ۶۵۳-۷۲۹ء) موجود ہیں، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو، اہل بصرہ سے ہیں اور اس طرح ان کے زمانے میں جنھیں ہم نے نام بنام ذکر کیا ہے، باقی فقہائے امصار ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو اور وہ جو تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں بھی بلند تر ہیں جیسے علقمہؒ (۰۰-۶۲ھ = ۰۰۰-۶۸۱ء)، اسودؒ (۰۰-۷۵ھ = ۰۰۰-۶۹۴ء)، عامر بن شراحبیلؒ، عبیدہؒ (۰۰-۷۲ھ = ۰۰۰-۶۹۱ء) اور شریحؒ (۰۰۰-۷۸ھ = ۰۰۰-۶۹۷ء) ہیں، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو اور اگر تمہیں حضرت سعید بن المسیبؒ کی منقطع و مرسل روایتوں کو مطلقاً متصل کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق حاصل ہے تو پھر تمہارے سوا دوسروں کو مذکورۂ بالا فقہاء کی منقطع و مرسل روایات کو مطلقاً متصل روایات کے قائم مقام تسلیم کرنے کا حق بھی حاصل ہے اور اگر انہیں حق حاصل نہیں تو پھر تمہیں بھی اس قسم کی بات کہنے اور کرنے کا حق نہیں، کیونکہ یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں کسی کو ہٹ دھرمی کا حکم کرنے کی اجازت نہیں ہے[1]۔

ابوبکر احمد بن علی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ "الفصول فی الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے اور ہمارے اصحاب احنافؒ کا مذہب ہے کہ تابعینؒ کی مرسل روایتیں مقبول ہیں جب تک راوی کا غیر ثقہ لوگوں سے روایت کرنا ثابت نہیں ہوتا، ہم نے جو بات کہی ہے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ عہد تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں لوگوں کا ظاہر احوال راست گوئی اور صلاح و تقویٰ تھا، اس پر حدیث رسولؐ "خیر الناس قرنی" سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں مجھے بھیجا گیا ہے، شاہد ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ

---

۱؎ احمد بن الطحاوی۔ شرح معانی الآثار، لکھنؤ، مطبع مصطفائی ۱۳۰۰ھ، ج ۲، ص ۳۵۳ "باب الرھن یھلک فی ید المرتھن"۔



فقہاء میں سے جن فقہاء نے اپنی نسبت اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی احادیث و آثار کا ارسال کرتے ہیں جن کی صحت روایت کا انہیں جزم و یقین ہوتا ہے، چنانچہ اعمشؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے عرض کی کہ آپ مجھ سے حدیث سند سے کیوں بیان نہیں فرماتے کہ میں اسے مرفوعاً بیان کروں، انہوں نے فرمایا جب میں تم سے "حدثنی فلان عن عبد اللہؓ" کہوں کہ فلاں نے مجھ سے بواسطہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کیا تو سمجھو کہ وہی ایک راوی ہے جس نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی ہے اور جب میں تم سے کہوں "قال عبد اللہؓ" تو سمجھ لو کہ مجھ سے ایک جماعت نے اس روایت کو بواسطہ عبد اللہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ موصوف نے فرمایا جب میرے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابی ایک روایت بیان کرتے ہیں تو میں حدیث کو مرسل بیان کرتا ہوں اور اس کی نسبت راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہوں، عروہ بن الزبیر نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث "من احیا ارضا میتۃ فھی لہ" کہ جس نے مردہ زمین کو آباد کیا وہ زمین اس کی ہے بیان کیا اور اس کی سند بیان نہیں کی، حضرت عمر ابن عبد العزیز نے ان سے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کی گواہی دیتے ہو، کہا جی ہاں مجھ سے یہ حدیث ایک پسندیدہ عادل شخص نے بیان کی ہے لیکن اس راوی کا نام نہیں بتایا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کے اس بیان کو کافی سمجھا، اس حدیث کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مرسل بیان کرتے تھے اور جب اس کی سند دریافت کی جاتی تو وہ ثقات تک بتا دیتے تھے، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایتیں نقل کرنے میں بھی اسی طریقہ پر گامزن تھے"۔ (ص ۵۱۹)

مراسیل کو نظر انداز کرنے سے سنن و آثار کے فقہی احکام کے عظیم ترین ذخیرہ سے ہمیں ہاتھ دھونا پڑے گا جو ہرگز روا نہیں، اس لئے ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ و امام سفیان ثوریؒ نے اس پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ محقق عبدالعزیز بخاری المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

"اور مرسل کو رد کرنے میں بہت سی احادیث و سنن کو بیکار اور ناکارہ بنانا ہے اس لئے کہ مراسیل کو جو احکام سے متعلق ہیں) جمع کی جائیں، تو وہ تقریباً پچاس جزء میں سمائی جائیں گی، یہ ان اہل علم پر طنز ہے جو اپنے آپ کو "اصحاب الحدیث و اہل حدیث" کے نام سے موسوم کرتے اور احادیث کی حفاظت و پاسبانی اور ان پر عمل کرنے کے لئے جمے بیٹھے ہیں پھر انہوں نے ان احادیث و سنن کو رد کیا ہے جو اقسام حدیث میں سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ تعداد میں موجود ہیں اس طرز عمل سے تو احادیث و سنن کو ناکارہ کرنا اور اس کے دائرہ کو تنگ سے تنگ تر کرنا ہے، یہ ان کی حفاظت کرنا اور نہ ان کا احاطہ کرنا ہے"[1]

صحابہؓ اور تابعینؒ کی سند میں تدلیس کو روا رکھنے کے اسباب کی نشان دہی کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاصؒ "الفصول فی الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رابطہ موجود تھا، انہوں نے صرف قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر اکتفا کیا اس طرح تابعینؒ نے عمل کیا مگر انہیں مدلسین کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا، اس کے دو سبب ہیں:

ایک یہ کہ ان کا مقصد سند میں اختصار سے کام لینا اور سامعین سے سند کو قریب تر کرنا تھا۔

دوسرا ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی نسبت کو یقینی بنانا تھا تاکہ یقین ہو جائے

[1] عبدالعزیز البخاری۔ کشف الاسرار ج ۳ ص ۵۔



کہ یہ آپ کا ارشاد ہے اور ان کا مطمح نظر حدیث کو علو اسناد سے آراستہ کرنا تھا اس طرح ہم ان لوگوں کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے بعد آئے ہیں ان کا مقصد راوی و مروی عنہ کے مابین واسطہ ساقط کرنے سے یہی دو باتیں مقصود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کو مدلس کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔

مدلس وہ ہے جو اس واسطہ کو جس سے اس نے حدیث بلا واسطہ سنی ہے سند کو عالی بنانے کی غرض سے ساقط کرے اور اس قسم کی اغراض کی وجہ سے واسطہ ذکر نہ کرے یہ قصد و ارادہ پسندیدہ نہیں بجز اس کے کہ جس کی نسبت یہ ثابت ہو کہ وہ معتبر و ثقات راویوں سے تدلیس کرتا ہے، اس کی حدیث تو مقبول ہے، اگرچہ وہ "حدثنا" بھی نہ کہے اور جو غیر معتبر راویوں سے تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث کا معاملہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں تاآنکہ اس امر کی وضاحت نہ ہو جائے کہ اس نے ثقہ سے روایت کی ہے"۔ (الفصول فی الاصول ورق ۲۴۲-۲۴۳)

**پاک و ہند کے اہل حدیث کا مسلک** ہندوستان اور پاکستان کے اہل حدیث صحیحین کی حدیثوں کے سوا کسی حدیث کو قابل حجت و لائق اعتنا سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ صحیحین میں بھی صحیح بخاری کی روایتوں پر عمل کرتے اور دوسروں سے اس پر عمل کرنے پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ۔

(۱) صحیحین میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی ہیں۔

(۲) تمام صحیح حدیثوں کا احاطہ و استیعاب بھی ان میں نہیں کیا گیا[1]

[1] محمد بن طاہر المقدسی۔ شروط الائمۃ الستۃ، القاہرہ، ۱۳۵۷ھ ص ۱۳۔ محمد بن موسی الحازمی۔ شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۴۹-۵۱۔ مقدمۃ ابن الصلاح ص ۱۲۲۔ یحیی بن شرف النووی۔ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق تحقیق عبدالباری فتح اللہ السلفی۔ المدینۃ المنورۃ مکتبۃ الایمان، ۱۴۰۸ھ ص ۱۱۹۔ ابن حجر التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر دہلی مطبع الفاروقی، ص ۲۔

(۳) یہ فی الجملہ صحیح حدیثوں کا انتخاب ہے [1]

(۴) اس میں بہت زیادہ صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا گیا ہے [2]

(۵) حسن حدیثوں کی تعداد بھی اس میں صحیح حدیثوں سے زیادہ ہے [3]

(۶) بلکہ ہماری تحقیق کے مطابق اس میں مراسیل بھی پائی جاتی ہیں۔

(۷) امام بخاری اور امام مسلم میں سے کسی نے اپنی کتاب کے اصح ہونے کا دعویٰ کیا نہیں۔

**صحیحین کی ٹکر کی صحیح حدیثوں کا ذخیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں۔**

اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صحیح حدیثوں کا ذخیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی پھیلا ہوا ہے اور ان میں بھی صحیحین کی ٹکر کی حدیثیں موجود ہیں جنھیں نظر انداز کرنا صحیح حدیثوں کے عظیم تر ذخیرہ سے دست بردار ہونا اور دلائل کے عظیم الشان ذخیرہ سے صرف نظر کرنا اصول انصاف کے تقاضوں کے خلاف اور حقیقت سے انحراف کرنا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں:

اور تخریجات صحیحین میں جس طرح مفید اضافے اور عمدہ سندیں پائی جاتی ہیں اسی طرح مسند امام احمدؒ میں بہت زیادہ متون و اسانید موجود ہیں جو صحیح مسلم کی حدیثوں کے مقابلے کی ہیں، بلکہ بخاری کی ٹکر کی موجود ہیں، جو صحیحین میں نہیں، یا ان میں سے کسی ایک میں نہیں بلکہ ارباب

---

[1] شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۵۱۔ ھدی الساری، ج ۱ ص ۴۔ تدریب الراوی ص ۴۶، ۴۴ [2] احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث۔ دمشق، دار الفیحاء، ۱۴۱۴ھ ص ۲۵ [3] شروط الائمۃ الخمسۃ، ص ۵۱۔ ھدی الساری ص ۳۵ [4] الذھبی۔ الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ۔ حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۴۰۵ھ۔ ص ۸۰۔



سنن اربعہ نے بھی ان کی تخریج نہیں کی ہے اور وہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ ہیں اور اسی طرح معجم کبیر و معجم اوسط طبرانی، مسند ابی یعلی و مسند بزار وغیرہ، مسانید و معاجم، فوائد اور اجزاء میں حدیثیں پائی جاتی ہیں جو اس فن میں متبحر عالم کو رجال سند کی حالت پر غور کرنے اور متن و سند کی تعلیل مفسد سے سلامتی کی صورت میں بہت سی حدیثوں کی صحت پر حکم لگانے کی قدرت بخشتا اور اس اقدام عمل کو جائز کرتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کسی حافظ حدیث نے شیخ ابو زکریا یحییٰ نووی کی موافقت اور شیخ ابو عمرو بن صلاح کی مخالفت میں اس کی صحت کا حکم نہ لگایا ہو" [1]

حافظ ابن کثیر کے بیان کی تائید شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی المتوفی ۸۰۵ھ "محاسن الاصلاح و تضمین علوم الحدیث لابن الصلاح" میں اس طرح کرتے ہیں:

"اور "مسند امام احمدؒ" میں بہت زیادہ اسانید و متون ایسے پائے جاتے ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں اور وہ سنن میں بھی موجود نہیں ہیں۔ سنن چار ہیں، سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور اسی طرح مسند بزار، مسند ابن منیع اور معاجم طبرانی وغیرہ میں حدیثیں اور اسانید موجود ہیں، مسند ابی یعلی اور اجزاء میں پائی جاتی ہیں جسے اس فن میں مہارت و قدرت حاصل ہے وہ بہ نظر صحیح بہت سی حدیثوں قرار دے گا اور اسے صحت کا حکم لگانا جائز ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے" [2]

**اس زمانے میں حافظ ابن کثیر کے بیان کی صداقت**

محدث احمد شاکر المتوفی ۱۳۷۷ھ نے "الباعث الحثیث" میں حافظ ابن کثیر کے مذکورہ بالا بیان میں صرف "مسند احمد" کے متعلق جس کی جلد اول و جلد ثانی طبع قدیم کی ایک تہائی حدیثوں پر تحقیقی کام کیا، یہ فقرہ لکھا ہے:

"ھذا الکلام جید محقق"۔ ابن کثیر کی مسند احمد کے متعلق یہ بات بہت تحقیقی بات ہے اس لئے کہ

---

[1] احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث الشرح اختصار علوم الحدیث۔ دمشق۔ مکتبہ دار الفیحاء ۱۴۱۴ھ۔ ص ۳۷-۳۸ [2] البلقینی۔ محاسن الاصطلاح، ص ۱۶۵۔

میں نے (۱۱ ۶۵) چھ ہزار پانچ سو گیارہ حدیثوں کی تحقیق کی ان میں (۵،۲۳۳) پانچ ہزار سات سو تینتیس حدیثیں صحیح ہیں (بقیہ مختلف درجات کی ہیں) اور ان میں ایسی ضعیف جو ناقابل اعتبار ہو مشکل سے ملے گی (اس لئے حافظ ابن کثیر کے بیان کی اس زمانے میں بھی صداقت عیاں ہو جاتی ہے)"۔[1]

## دوسری صدی ہجری میں امام محمدؒ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

امام محمدؒ نے حنفی فقہ کو کتابی صورت میں مرتب و مدون کیا، وہی کتابیں آج بھی فقہ کا اصل اور بنیادی سرمایہ ہیں، امام شافعیؒ نے ۱۶۴ھ میں امام مالکؒ سے موطا پڑھی پھر یمن سے عراق آکر ۱۸۴ھ میں امام محمدؒ سے فقہ پڑھی، مورخ اسلام شمس الدین ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں موصوف کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

| | |
|---|---|
| انفقت علی کتب محمد ابن الحسن | میں نے امام محمدؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار |
| ستین دینارا ثم تدبرتہا فوضعت | خرچ کئے پھر میں نے ان پر غور و فکر کیا اور |
| الی جنب کل مسئلۃ حدیثا۔[2] | ہر مسئلہ کے پہلو میں حدیث لکھی۔ |

یہ ان مسائل کا تنقیدی جائزہ تھا جو امام شافعیؒ نے لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد کی مرتب کتابوں میں ائمہ مجتہدین بھی غور و فکر کرتے اور ان سے بہت کچھ حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کی کتابیں امت میں مقبول رہی ہیں۔

اس سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ ان مسائل پر جس کی نظر سنن و آثار کے وسیع تر ذخیرہ پر محیط نہ ہو اور فقہی بصیرت سے محروم ہو ان مسائل کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

## امام محمدؒ پر مخالفتِ حدیث کا الزام اور موصوف کی وضاحت

محدثین عموماً رائے و قیاس کے خلاف ہوتے ہیں اس لئے وہ فقہاء کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں چنانچہ عیسیٰ بن

---

[1] احمد شاکر: الباعث الحثیث ص ۳۰، ۳۸ [2] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۲، یحییٰ بن شرف النووی۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ القاہرہ۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ب، ت ج اص ۸۱۔



ابان المتوفی ۲۲۱ھ جن کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں تھا، اہل الرائے کی صحبت سے کتراتے اور فرماتے تھے:

| | |
|---|---|
| ھولاء قوم یخالفون الحدیث[1] | یہ لوگ حدیث کے خلاف کرتے ہیں۔ |

حافظ محمد بن سماعہؒ (۱۳۰ - ۲۳۳ھ، ۷۴۸ - ۸۴۷ء) جو ان کے دوست تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ امام محمدؒ کی مجلس درس میں کبھی شریک ہو جائیں تو ان پر حقیقت آشکارا ہو جائے، ایک بار ایسا ہوا کہ عیسیٰ بن ابان محمد بن سماعہؒ سے ملنے آئے، امام محمد کے درس کا وقت قریب تھا محمد بن سماعہ نے ان سے کہا ذرا مجلس درس میں بیٹھو اور دیکھو، عیسیٰ بیٹھ گئے، درس کے بعد وہ انہیں امام محمد سے ملانے لے گئے اور صاف کہا کہ یہ آپ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں، امام محمد نے ان سے فرمایا:

"تم نے ہم سے کون سی ایسی بات دیکھی کہ جس میں ہم نے حدیث کے خلاف کیا ہو؟ ہمارے خلاف شہادت نہ دو جب تک تم ہم سے خلاف حدیث کوئی بات نہ سنو، تو عیسیٰ نے ان سے پچیس باب کی حدیثوں کے متعلق سوال کیا انہوں نے عیسیٰ کو بتایا کہ ان میں حدیثیں منسوخ ہیں اور ان کے دلائل و شواہد پیش کئے"۔[2]

پھر یہ مجلس سے اٹھ کر آئے تو کہا جو پردہ حائل تھا وہ اٹھ گیا:

"میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں اس طرح کا عالم اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدہ کی خاطر نمودار فرمائے گا اور امام محمدؒ کی صحبت میں ہمہ وقت کی حاضر باشی اختیار کی تا آنکہ فقیہ بن گئے"۔[3]

---

[1] عبد الکریم بن محمد السمعانی۔ الانساب۔ بیروت، دار الجنان، ۱۴۰۸ھ ج ۴ ص ۳۳۱، (القاضی) حسین بن علی الصیمری۔ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، بیروت۔ عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ ج ۲ ص ۱۳۲ [2] [3] الصیمری، ص ۱۳۲۔

محدثین کے یہاں ان کی مخالفتِ حدیث کا ایسا چرچا تھا کہ ابتدا میں اس کی صدائے بازگشت امام احمد بن حنبل کے یہاں بھی سنائی دیتی تھی، چنانچہ موصوف فرماتے تھے:

"ابو یوسف حدیث میں انصاف پسند و منصف تھے لیکن ابو حنیفہ اور محمد بن الحسن حدیث واثر کے مخالف تھے"۔[1]

چنانچہ مورخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ نے حقیقتِ حال پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

"موصوف کا احادیث کے خلاف کرنا عموم قرآن پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا دبظاہر حدیث کی مخالفت محسوس ہوتی ہے، حقیقت میں وہ قرآنی نصوص پر عمل کرتے تھے"۔[2]

**امام محمدؒ کے متعلق محدثین کرام کا طرز عمل**

یہی وجہ ہے کہ محدثین نہ ائمۂ احناف کی کتابیں پڑھتے نہ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے بلکہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ہی ان کے متعلق رائے قائم کرتے اور لوگوں کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتے تھے، چنانچہ حافظ ابن عدیؒ المتوفی ۳۶۵ھ کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال" میں امام محمدؒ کی کتابوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

"اور امام محمدؒ کی حدیثوں کے مطالعہ میں لگے رہنا ایک ایسا کام ہے جس کی حاجت ہی نہیں کیونکہ وہ اہل حدیث میں سے نہیں اس لئے مطالعہ سے روکا جاتا ہے"۔[3]

ذرا غور فرمائیں:

(۱) امیر المومنین فی الحدیث، سفیان ثوریؒ، شعبہ امام مالکؒ، امام اوزاعی، حماد بن زید اور ابن عیینہؒ "اصول دین" کا شاگرد ہو۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۹ [2] تاریخ الاسلام، ص ۳۶۱ حوادث ووفیات ۱۸۱-۱۹۰ [3] عبد اللہ بن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال بیروت، دار الفکر، ب ت ج ۶ ص ۲۱۸۴۔



(۲) ائمہ حدیث اسے رواۃ مالکؒ میں قوی قرار دیں۔

(۳) ثقات حفاظ میں اس کا شمار ہو۔

(۴) شافعیہ کے مقتدا، مجتہد مطلق، امام شافعی کا استاد ہو۔

(۵) امام شافعیؒ حدیث میں اس سے احتجاج کرتے ہوں۔

(۶) عالم کے اذکیا میں اس کا شمار کیا جاتا ہو۔[1]

مذکورہ بالا صفات سے آراستہ حافظ ومجتہد وقت کے متعلق اس قسم کے ریمارک پاس کرنا کیا حق وانصاف قرار دیا جاسکتا ہے؛ یہی طرز عمل عام محدثین نے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام زفرؒ وغیرہم کے ساتھ روا رکھا ہے۔

**ائمہ احناف پر مبہم جرح**

انہی حقایق کے پیش نظر ائمہ احناف نے اصول فقہ کی کتابوں میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو ائمہ حدیث ہمارے ائمہ پر مبہم جرح کرتے ہیں وہ جرح قابل اعتبار و لائق اعتنا نہیں اس لئے کہ وہ مذہبی تعصب اور طرفداری پر مبنی ہوتی ہے۔ چنانچہ فخر الاسلام بزدویؒ المتوفی ۴۸۲ھ "کنز الوصول الیٰ معرفۃ الاصول" میں رقم طراز ہیں:

"ولیکن ائمہ حدیث کی طرف سے مجمل ومبہم جرح وطعن قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ عدالت مسلمانوں میں ظاہر ہے (مسلمان ایمان کی بدولت عادل ہوتا ہے) خاص طور پر قرون اولیٰ (جس میں خیر کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ امام قاضی ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمد تبع تابعی ہیں) اگر مطلق جرح وطعن کی بنا پر رد کیا جانے لگا تو سنن وآثار کا سارا ذخیرہ معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا"۔[2]

---

[1] الذہبی العبر فی خبر من غبر تحقیق صلاح الدین المنجد، الکویت، مطبوعۃ حکومۃ الکویت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۲۰۲ [2] علی بن محمد فخر الاسلام البزدوی۔ کنز الوصول الیٰ معرفۃ الاصول، کراچی (البقیہ حاشیہ ص ۴۱۸ پر)

چنانچہ موصوف آگے بعض وجوہ طعن کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"(۱) اور کبھی طعن اس سبب سے واقع ہوتا ہے کہ وہ ایسا مجتہد ہے کہ اس پر مثلاً ارسال کا طعن کیا جاتا ہے۔

(۲) کثرت سے فقہ کے فروعی مسائل کے استخراج و استنباط کرنے پر جرح کی جاتی ہے، یہ طعن و جرح قابل قبول نہیں۔

(۳) اور اگر طعن مفسر فسق و فجور کی تہمت کے ساتھ ہو لیکن طعن کرنے والے پر عصبیت و عداوت کی تہمت لگی ہو تو بھی طعن قابل سماعت نہیں جیسے ملحد اور بے دینوں کا اہل سنت پر طعن کرنا۔

(۴) اسی طرح ان لوگوں کا جنھوں نے شافعی مذاہب اختیار کیا ہمارے ائمہ متقدمین پر جرح کا حکم ہے۔"[۱]

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ قدمائے حنفیہ پر عداوت کی وجہ سے جو جرح و طعن کیا جاتا ہے وہ قابل التفات نہیں۔

**امام محمدؒ کے درسی افادات کی قدر و قیمت**

قاضی عیسیٰ بن ابانؒ کا بصرہ میں جب انتقال ہوا تو ان کے کتب خانہ کی کتاب کا ہر ورق جدا بکا، علامہ سمعانی کتاب الانساب میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اور جب عیسیٰ بن ابان کا انتقال ہوا، ۲۲۱ھ میں ان کی کتابیں ورق ورق کرکے فروخت کی گئیں ہر ورق ایک درہم میں فروخت کیا گیا، اس لئے کہ موصوف نے امام محمد کے درس میں کتاب کے حاشیوں پر مسائل کی تحقیق اور فوائد لکھے تھے"[۱]

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام محمدؒ کے درسی افادات کی اس دور میں کیا قدر و قیمت تھی۔

**شکل و صورت اور حسن و جمال**

امام محمدؒ بہت زیادہ حسین و جمیل تھے، باپ انھیں امام ابوحنیفہؒ کی مجلس درس میں لائے، انھوں نے فرمایا لڑکے کے سر کے بال منڈوائیں، پرانے کپڑے پہنائیں تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں۔

امام محمدؒ کا بیان ہے کہ والد نے میرا سر منڈایا، پرانے کپڑے پہنائے تو حسن اور دوبالا ہو گیا۔[۲]

**امام شافعیؒ کی امام محمدؒ سے پہلی ملاقات**

امام شافعی کا بیان ہے:

"میں نے پہلی بار جب امام محمد کو دیکھا، ان کے پاس اہل علم بیٹھے تھے میری نظر ان کے چہرے پر پڑی تو وہ سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا، پیشانی تو گویا ہاتھی کے دانت کی طرح روشن و صاف تھی، لباس سب سے بہتر تھا۔ ایک اختلافی مسئلہ پوچھا تو اپنا مذہب زور دار انداز میں پیش کیا، بیان کرکے تیر کی طرح گزر گئے۔"[۳]

**عادات و خصائل اور کمالات و فضائل اور امام شافعی کا اعتراف**

امام شافعیؒ ان کے عادات و خصائل اور کمالات و فضائل پر گوناگوں الفاظ میں متواتر روشنی ڈالتے رہے ہیں، چنانچہ فرمایا:

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی اختلافی مسئلہ پوچھا ہو اور اسے ناگوار نہ ہوا ہو سوائے امام محمد کے۔"[۴]

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۷) نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۸۰ھ ص ۱۹۶۔ محمد بن احمد السرخسی = اصول السرخسی، حیدرآباد دکن لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ ۱۳۷۲ھ ج ۲ ص و حاشیہ ص ۱۱ [۱] کشف الاسرار ج ۳ ص، اصول السرخسی ج ۲ ص ۱۱۔ الانساب ج ۳ ص ۴۸۴ (القاضی)۔

[۱] الانساب ج ۴ ص ۳۳۴ (قاضی) اسی طرح بیچنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مکمل کتاب کے فروخت کے مقابلہ میں رقم زیادہ ملتی ہے [۲] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲ [۳] ایضاً [۴] الصیمری اخبار ابی حنیفۃ و صاحبیہ۔ ص ۱۲۸، شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲۔

امام موصوفؒ کا بیان ہے:

"میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا فصیح و بلیغ عالم، حلال و حرام کا جاننے والا، اسباب و علل کا واقف اور ناسخ و منسوخ پر نظر رکھنے والا نہیں دیکھا، لوگ اگر انصاف سے کام لیں تو یقین کریں کہ انہوں نے امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کا نظیر نہیں دیکھا[1] ... ان سے بڑھ کر فقیہ کے پاس کبھی نہیں بیٹھا اور نہ فقہی زبان بولنے والا دیکھا، جو فقہ اور اسباب و علل فقہ کی ایسی باتیں جانتے تھے جن کو بیان کرنے سے بڑے بڑے لوگ عاجز تھے۔[2]

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ اور امام محمدؒ دونوں سے پڑھا اور سنا تھا اور انہیں ان کی ہم نشینی کا فخر حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ بتائیں ان میں کون زیادہ فقیہ تھا؟ فرمایا! محمد بن الحسن زیادہ فقیہ النفس تھے۔[3]

ابو عبید قاسم بن سلامؒ کا بیان ہے:

"میں امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا امام شافعیؒ بھی مجلس میں بیٹھے مسئلہ پوچھ رہے ہیں، موصوف نے عمدہ جواب دے کر خاموش کر دیا اور درہم دے کر فرمایا، علم چاہتے ہو تو یہاں جمے رہو چنانچہ میں نے امام شافعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا، واللہ میں نے امام محمدؒ سے ایک بار شتر علم قلم بند کیا ہے۔"[4]

اس زمانے میں ایک بار شتر علم بہت زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے:

"امام محمدؒ اگر نہ ہوتے تو مجھ پر علم کا ایسا انکشاف اور فیضان نہ ہوتا جیسا کہ اب ہوا ہے۔"[5]

امام شافعی فرماتے ہیں:

---

[1] اخبار ابی حنیفہ و صاحبیہ، و اصحابہ، ص ۱۲۸، شذرات الذھب۔ ج ۱ ص ۳۲۲۔۳۲۳۔ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۲۲ [4] الصیمری اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ، ص ۱۲۸ شذرات الذھب ج ۱ ص ۳۲۲ [5] شذرات الذھب۔



"میں نے فربہ انسان محمد بن الحسنؒ سے زیادہ سبک روح (چست اور مستعد) نہیں دیکھا۔"[1]

## امام محمدؒ کی علمی فیض بخشیاں اور مالی مدد و سخاوت

امام محمد بہت سخی تھے، ان کی فیض بخشیاں طلبہ پر عام تھیں، وہ ان کی علمی رہنمائی کرتے، ان کے اشکالات دور کرتے۔ غیر عراقی طالب علم اپنے وقت میں کمی کے باعث امام موصوف کے علوم سے پورے طور پر استفادہ کرنے سے قاصر رہتا تو وقت نکال کر تنہا اسے رات میں دیر تک پڑھاتے تھے، چنانچہ اسد بن الفرات القیروانی نے امام محمد کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ زیادہ قیام بھی نہیں کر سکتا، خرچ صرفہ بھی نہیں اور آپ کے علوم سے بہرہ ور ہونے کی آرزو بھی پوری نہیں ہو سکی، میرے لئے آپ سے استفادہ کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ امام محمد نے فرمایا دن میں عراقی طلبہ کے ساتھ درس سنا کرو، میں نے رات صرف تمہارے لئے رکھی ہے تم رات یہاں گزارو میں تمہیں سناؤں گا، اس کا بیان سنئے وہ کہتا ہے:

"میں رات کو امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ تشریف لاتے، ان کے سامنے پانی سے بھرا پیالہ رکھا ہوتا، پھر وہ پڑھنا شروع کرتے جب رات زیادہ ہو جاتی مجھے اونگھ کے جھونکے آنے لگتے تو دستِ مبارک سے میرے منھ پر چھینٹے مارتے تو ہوش آتا، ان کا یہی دستور تھا اور میری وہی عادت تھی تا آنکہ میں نے ان سے کتابوں کا سماع پورا کیا اور ان سے رخصت ہوا۔"[2]

امام محمدؒ نے جب اسد بن الفرات قیروانی کو راستہ کی سبیل سے پانی پیتے دیکھا تو اس کی غربت کا اندازہ ہوا، موصوف نے اسے اسّی دینار دئے[3] اور جب وہ قیروان جانے لگا تو سفارش کر کے سرکاری خزانہ سے دس ہزار درہم دلائے[4] تاکہ سفر آسانی سے کریں، کسی قسم کی مالی پریشانی نہ ہو۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۵ [2] محمد زاھد الکوثری۔ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ کراچی۔ مطبعۃ ایجوکیشنل پریس، ۱۴۰۳ھ ص ۱۵ [3] ایضاً [4] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۲۰، عبد الرحمن بن محمد الدباغ۔ معالم الایمان فی معرفۃ اھل القیروان: القاھرۃ، دار المعارف: ۱۹۶۸ء ج ۲ ص ۹-۱۱۔ یہ کتاب اس عاجز نے بیرو یونیورسٹی، کانو، نائیجیریا میں دیکھی تھی۔

طلبہ کی مالی مدد کرتے، ایک بار امام شافعیؒ کا تمام قرض ادا کیا[1] وقت پر ان کے کام آتے تھے۔

## امام شافعیؒ کی بغاوت کے الزام میں گرفتاری اور امام محمدؒ کی حق گوئی و مہربانی

مکہ میں نو علویوں کی ایک جماعت بغاوت کے الزام میں پکڑی گئی، انہوں نے امام شافعی کو بھی ملزم قرار دے کر اپنے ساتھ گرفتار کرایا، اس بات کی جب امام محمد کو خبر لگی بہت صدمہ ہوا فرمایا: وقت آنے دو، چنانچہ ان دس افراد کی جماعت کو دارالخلافہ بغداد لایا گیا، خلیفہ ہارون رشید، رقہ میں تھا، انہیں رقہ میں اس کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے بیانات سُن کر نو کو قتل کرایا، امام شافعی سمجھتے تھے اب میری باری ہے آخر انہیں بھی خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا، وہاں امام محمد بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا میں علوی نہیں میں ہاشمی مطلبی ہوں، عالم ہوں، مجھے یہ علوی ظلماً یہاں گھسیٹ لائے ہیں، یہ مکالمہ امام شافعیؒ کی زبانی سُنئے، وہ فرماتے ہیں خلیفہ نے کہا:

"تم محمد بن ادریس ہو، میں نے عرض کی "جی" امیرالمومنین! اس نے کہا محمد بن الحسن نے تمہارا مجھ سے ذکر نہیں کیا، خلیفہ محمد بن الحسن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، اے محمد! جو یہ کہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا وہ کہتا ہے، امام محمدؒ نے کہا جی ہاں، حقیقت ایسی ہی ہے، اس کا علم میں بڑا مقام ہے اور جو ان پر تہمت دھری گئی ہے وہ ان کی شان کے منافی ہے، پھر خلیفہ نے کہا، یہ آپ کے حوالے، آپ پکڑ لیں، تاکہ میں اس کے معاملے میں غور کروں، چنانچہ انہوں نے پکڑے رکھا اور وہ میری نجات کا سبب ہو گئے"[2]

بعض شافعیہ نے گرفتاری کا الزام امام محمدؒ پر دھرا اور بعض نے اس الزام میں امام ابو یوسفؒ کو بھی شریک کیا ہے، حالانکہ وہ اس واقعہ سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

---

[1] شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مصر مکتبۃ القدوسی ۱۳۵۰ھ ج ا ص ۳۲۲

[2] الانتقاء ص ۹۸ شذرات الذہب ج ا ص ۳۲۳۔



المتوفی ۸۵۲ھ توالی التاسیس میں رقم طراز ہیں:

"یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا بیشتر حصہ گھڑا ہوا ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو کھلا جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف اور محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر ترغیب دی، یہ قصہ دو وجہ سے باطل اور جھوٹ ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کی بغداد میں آمد (۱۸۴ھ) سے پہلے (۱۸۲ھ) میں انتقال کر گئے تھے اور امام شافعی کی ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی اور دوسری وجہ یہ کہ یہ دونوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے تھے، ان دونوں سے بعید ہے کہ کسی مسلمان کے قتل میں کوشش کریں، خاص طور سے ایک مشہور عالم کے، ان دونوں کی جناب میں امام شافعی کا کوئی گناہ نہ تھا بجز اس کے کہ علم پر حسد تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا"[1]

اگر ابن حجرؒ کی حسد کی بات صحیح ہے تو پھر ان کا تقویٰ کہاں رہا حسد تقویٰ کو کھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو حسد کی آگ سے بچائے۔ (آمین)

مورخ عبدالحئی بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ نے شذرات الذہب میں اسے افترا و بہتان قرار دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر امام محمدؒ سفارش نہ کرتے تو نہ امام شافعی رہتے، نہ شافعی مذہب، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہر شافعی پر قیامت تک لازم ہے کہ وہ امام محمدؒ کے اس احسان کو سمجھے اور موصوف کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتا رہے"[2]

---

[1] ابن حجر العسقلانی۔ توالی التاسیس لمعانی محمد بن ادریس تحقیق عبداللہ القاضی۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء ص ۱۲۱ [2] شذرات الذہب۔ ج ا ص ۳۲۳۔

## والدین کی میراث کا صحیح مصرف

ابوعمرو شاگرد امام محمدؒ کا بیان ہے:

"امام محمدؒ نے فرمایا: والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے۔ ان میں سے پندرہ ہزار میں نے شعر و ادب پر اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر خرچ کئے"[1]

## امام محمدؒ کی کتابوں سے ائمہ لغت و نحو کا اعتنا

موصوف نے حدیث و فقہ عربیت و ادب میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ انہیں سند کا درجہ حاصل ہے، چنانچہ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۰۵-۳۷۰ھ = ۹۱۷-۹۸۰ء) "باب معانی حروف العطف وغیرہا" کی بحث میں رقم طراز ہیں:

"محمد بن الحسن لغت کے متعلق جو نقل کرتے ہیں اس میں وہ حجت و سند ہیں، ائمہ لغت کی ایک جماعت نے موصوف کے اقوال سے حجت پکڑی اور دلیل پیش کی ہے، ان میں ابوعبید نے غریب الحدیث وغیرہ کتابوں میں ان کے اقوال سند کے طور پر پیش کئے ہیں، ابوبکر الجصاص کا بیان ہے ابوالعباس ثعلب (۲۰۰-۲۹۱ھ = ۸۱۶-۹۱۴ء) کی طرف سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ محمد بن الحسن الشیبانی لغت میں حجت و سند ہیں"[2]

ابوعبید قاسم بن سلام لغوی بغدادی (۱۵۴-۲۲۴ھ/۷۷۴-۸۳۸ء) کے اپنی کتابوں میں امام محمدؒ کے اقوال سے استدلال کرنے کا ذکر قاضی حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی (تقریباً ۲۶۰-۳۶۰ھ = ۸۷۴-۹۷۰ء) نے "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" میں بھی کیا ہے[3]

امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اپنے شیخ محمد بن شاذان المتوفی ۲۷۲ھ سے نقل کرتے ہیں کہ

[1] اخبار الامام ابی حنیفۃ واصحابہ، الصیمری ص ۱۲۹، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۳، مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۵۴، اخبار الامام ابی حنیفۃ واصحابہ، شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۳۔ [2] اصول الجصاص ج ۱ ص ۳۔

• [3] المحدث الفاصل ص ۲۵۱۔



اخفش نحوی سعید بن مسعدہ المتوفی ۲۱۵ھ فرماتے تھے:

"کوئی چیز کسی چیز کے لئے اس طریقہ پر ہرگز وضع نہیں کی گئی کہ وہ اس کے مطابق ہو مگر امام محمد بن الحسن کی کتاب الایمان جو "الجامع الکبیر" میں قسموں کے بیان میں ہے وہ عوام الناس کے کلام کے عین مطابق ہے"[1]

امام لغت ابوعلی فارسی (۲۸۸-۳۷۷ھ/ ۹۰۰-۹۸۷ء) جو مبرد لغوی کا ہمسر سمجھا جاتا تھا امام محمد کی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور انہیں عزیز رکھتا تھا، چنانچہ یاقوت رومی کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ بغداد میں آگ لگی تو ابوعلی کا وہ سارا علمی سرمایہ جو اس نے ایک زمانے میں اپنے استاد سے دوران سبق قلم بند کیا تھا، خاکستر ہوگیا ایک صندوق میں صرف امام محمدؒ کی کتاب الطلاق کا آدھا حصہ بچ گیا تھا، اس ذخیرہ کے جلنے کا اس کو ایسا صدمہ تھا کہ اس نے دو دن تک کسی سے بات نہیں کی تھی"[2]

ائمہ لغت و نحو میں امام صاحب کی کتابوں کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابوعلی فارسی کا شاگرد ابوالفتح عثمان بن جنی المتوفی ۳۹۲ھ "کتاب الخصائص" میں رقم طراز ہے:

"اسی طرح محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں جن سے ہمارے نحوی علتیں نکالتے ہیں ان کے کلام میں علل منتشر اور جا بجا پھیلی ہوئی ہیں، انہیں خوش اسلوبی اور سلیقہ سے ایک ایک کرکے جمع کیا جاتا ہے، ہم ان کے کلام میں علت ایک جگہ پوری لکھی ہوئی نہیں پاتے، یہ بات نحویوں کی جماعت میں مشہور و مسلم ہے"[3]

[1] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۷، مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۵، مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۱۵۹۔

[2] یاقوت الرومی معجم الادباء دہلی ب ت ج ۲ ص ۲۰۔ [3] عثمان ابن جنی۔ کتاب الخصائص تحقیق محمد علی النجار۔ بیروت، دار الکتاب العربی ب ت ج ۱ ص ۱۶۳۔ موفق الدین یعیش۔ شرح المفصل بیروت: عالم الکتب ب ت، ج ۱ ص ۱۴۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

"علوم میں سے کسی علم میں غور و خوض نہیں کیا جاتا مگر صرف انہی متعین موجود ناگزیر مسائل میں جن کا علم کسی طور پر حاصل نہ ہو تو انسان ان مسائل میں مبہوت و پریشان رہتا اور بے سمجھے بات کہتا ہے کیا تم فقہ، فرائض، ریاضی اور ہندسہ وغیرہ کے بہت سے مرکبات اور مشکل مسائل کو نہیں دیکھتے کہ انسان ان پر وقتاً فوقتاً اور کچھ دن گزرجانے کے بعد بھی اہم و نادر مسائل پر غور و فکر کرتا رہتا ہے اور ان سے وہ اس وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے جب اس کا مذاق مشقت و ریاضت سے پختہ ہو جاتا ہے"[1]

امام محمدؒ کو جس طرح ادب و لغت میں سند کا درجہ حاصل تھا اسی طرح حساب و ریاضی میں بھی انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں امام محمد عربیت اور حساب میں سب سے بڑے عالم تھے"۔

**کوفہ اور بصرہ کی علمی منافست و چشمک اور فخر وناز**

کوفہ و بصرہ کی علمی برتری و چشمک میں فراء (جو امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے)[2] کی کتابیں اور امام محمدؒ کے ستائیس ہزار مرتبہ مسائل پیش کئے جاتے تھے، چنانچہ ابو علی حسن بن داؤد کا بیان ہے:

"اہل بصرہ کو چار کتابوں پر فخر وناز ہے۔ جاحظ کی (۱) کتاب البیان والتبیین اور (۲) کتاب الحیوان۔ سیبویہ کی (۳) الکتاب (نحو میں) اور (۴) لغت میں خلیل کی کتاب العین۔

اور ہم ان ستائیس ہزار حلال و حرام کے مسائل پر فخر کرتے ہیں جنھیں اہل کوفہ میں ایک شخص نے مرتب و مدون کیا جسے محمد بن الحسن کہا جاتا ہے، یہ تمام مسائل قیاسی و عقلی ہیں جن سے لوگ بے نیاز نہیں رہ سکتے اور فراء کی کتاب معانی القرآن، مصادر القرآن، کتاب الوقف والابتداء

[1] کتاب الخصائص تحقیق مجمع علی النجار، بیروت، دار الکتاب العربی، ب ت ج ۲ ص ۹۲۔
۹۳ [2] و [3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۵۲۔



اور کتاب الواحد والجمع فی القرآن ہیں"[1]

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں کوفہ میں علوم قرآن و سنت اور لغت و نحو کے ایسے ماہر و ارباب کمال جمع تھے جن کی نظیر اسلامی قلم رو میں موجود نہیں تھی، مورخ اسلام شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ "سیر اعلام النبلاء" میں یحییٰ بن اکثم سے ناقل ہیں، وہ فرماتے تھے:

"لوگوں میں چوٹی (کے ماہر فن) علماء تھے، چنانچہ حدیث کے فن میں سفیان ثوری ماہر تھے، قیاس میں ابو حنیفہ ماہر تھے، قرأت کے فن میں کسائی تھے، آج کوئی بھی ان فنون میں ایسا ماہر باقی نہیں رہا"[2]

مذکورہ بالا ائمہ فن کی شہادت و ارباب کمال کی تصریحات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علوم قرآن و سنت اور علوم لغت و عربیت میں امام محمدؒ کو امت مسلمہ میں کیسا بلند مقام حاصل ہے۔

**امام محمدؒ کی تعلیمی، تدریسی و تصنیفی خدمات کا عالم اسلامی کے فقہی مذاہب شافعی، مالکی اور حنبلی پر اثر**

امام محمدؒ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا دائرہ ایشیا تک محدود نہ تھا بلکہ اس سے افریقہ و دیار مغرب کو بھی فیض یابی کا موقع ملا ہے اور ان سے اسلامی قلم رو میں عظیم انقلاب رونما ہوا۔

**شافعی مذہب**

شافعی مذہب افریقہ میں ان کے شاگرد محمد بن ادریس الشافعی کی بدولت معرض وجود میں آیا اور پنپا جو فرماتے تھے:

"مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ احسان فقہ میں محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا ہے"[3]

امام شافعی کی مجتہدانہ بصیرت سے سرزمین مصر کو (۱۹۸ھ = ۸۱۳ء) میں یہ فخر حاصل ہوا کہ وہاں اہلسنت والجماعت کے چار مشہور مذاہب میں سے تاریخی اعتبار سے تیسرا مذہب مذہب شافعی پہلے افریقہ میں پروان چڑھا، پھر دوسرے مذاہب کی طرح اسلامی دنیا (ایشیا) میں پھلا پھولا، چنانچہ

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۷ [2] سیر اعلام النبلاء۔ ج ۷ ص ۲۴۹ (تذکرۃ سفیان ثوری) الانساب ج ۱ ص ۱۸۸ (الاعرابی) [3] تاریخ البغداد ج ۲ ص ۱۷۶۔

تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ شافعیہ کی علمی راجدھانیوں مصر، شام، بغداد، خراسان، یمن کی نشاندہی کرنے کے بعد ان کے بلاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مشرق میں اختلاف اقالیم اور وسعت بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، سادہ، ہمدان، دامغان، زنجان بسطام، تبریز، بیہق، میہنہ، استراباد وغیرہ شہر جو اقالیم ماوراء النہر میں داخل ہیں خراسان، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، صحاب، غور، کرمان سے بلاد ہند تک اور تمام ماوراء النہر سے چین کے اطراف تک عراق عجم و عراق عرب وغیرہ میں ایسے شہر آباد تھے جنھیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتی اور دل باغ باغ ہوتے تھے۔ لیکن افسوس تاتاریوں نے انہیں تباہ کر دیا۔

ثم انقضت تلك البلاد واهلها فكانها وكانهم احلام[1]

(ترجمہ) پھر یہ شہر اور اہل شہر ٹوٹ پھوٹ کے شکار ہو گئے گویا وہ شہر اور ان کے مکین سب خواب ہو گئے"۔

**مالکی مذہب** امام محمدؒ کے دوسرے نامور شاگرد علامہ قاضی اسد بن الفرات بن سنان الحرانی ثم القیروانی (۱۴۲-۲۱۳ھ = ۷۵۹-۸۲۸ء) ہیں جن کے تذکرہ کا آغاز مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے ان الفاظ سے کیا ہے:

الامام، العلامة، القاضي، الامير، مقدم المجاهدين، ابو عبد الله الحراني ثم القيرواني[2]

موصوف ۱۷۲ھ میں قیروان سے نکلے[3] امام مالکؒ سے اس سال الموطا کا سماع کیا[4] یہ دیار مغرب سے آئے تھے اس لئے امام مالک ان پر بہت مہربان تھے، موصوف نے جب فرضی مسائل (آئندہ پیش آنے

[1] عبد الوہاب السبکی۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تحقیق محمود محمد الطناحی عبد الفتاح محمد الحلو مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ب۔ت۔ ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۸ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۲۵ [3] بلوغ الامانی ص ۱۴ [4] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵۔



والے مسائل) کے متعلق سوالات کئے تو امام مالکؒ نے فرمایا تم عراق جاؤ[1] ان کا دل ٹوٹا مگر امام مالکؒ کو کیا معلوم تھا کہ یہ سائل ان کے مذہب کو عالم اسلامی میں پروان چڑھانے کا اصل محرک ثابت ہوگا (جیسا کہ آگے آتا ہے) یہ عراق آئے، یہاں امام ابو یوسف حافظ و فقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کوفی ۱۱۹-۱۸۲ھ = ۷۳۷-۷۹۸ء) سے پڑھا[2] اور امام محمدؒ سب سے زیادہ استفادہ کیا[3] ان پر رائے و قیاس کا زیادہ غلبہ ہو گیا[4] اس لئے موصوف نے امام ابو حنیفہ کی فقہی مسائل پر کتابیں نقل کیں[5] اور ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء میں جب امام مالکؒ کی وفات کی خبر ملی بغداد سے مدینہ آئے مختصر قیام کے بعد مصر کا رُخ کیا یہاں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد موجود تھے، چنانچہ پہلے امام و مفتی عبد اللہ بن وہب مصری (۱۲۵-۱۹۷ھ = ۷۴۳-۸۱۳ء) جو بیس برس امام مالکؒ کی صحبت میں رہے تھے[6] امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں میں مذکور مسائل کے متعلق امام مالکؒ کی رائے دریافت کرنے کے لئے گئے[7] موصوف نہایت پرہیزگار بزرگ تھے سا طہا ہے[8] سے معذرت کی[9] پھر امام مالکؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد عبد الرحمٰن بن القاسم المصری (۱۳۲-۱۹۱ھ = ۷۵۰-۸۰۶ء) کے سامنے اپنا مقصد پیش کیا انہیں جو زبانی یاد تھا بتایا اور جن مسائل میں تردد اور شک تھا ان کے متعلق "اخال" (میرا خیال ہے)، "احسب" (میں سمجھتا ہوں)، "اظن" (میرا گمان اور میری رائے ہے)[8] کے الفاظ سے اظہار خیال کیا، اسد بن الفراتؒ جو مسائل ان سے پوچھے تھے وہ تین سو چمڑوں کے ٹکڑوں میں ان کے پاس محفوظ تھے[9]

اس مجموعہ کا نام المسائل الاسدیہ[10] ہے۔

موصوف جب قیروان پہنچے اس کو پڑھایا؟ اخذوا عنه وتفقهوا به[11] لوگوں نے ان سے علم

[1] بلوغ الامانی، ص ۱۴ [2] الذہبی ج ۱ ص ۲۲۵؟ [3] بلوغ الامانی، ص ۱۵ [4] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۵ [5] ایضاً ۲۲۶ [6] ایضاً ج ۱۰ ص ۲۲۵ [7] ایضاً [8] ایضاً ص ۲۲۶ [8] طبقات الفقہاء ص ۱۳۲ [9] الانتقاء ص ۵۰-۵۱ و سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۷۶ [10] ایضاً ص ۲۲۶ [11] ایضاً۔

حاصل کیا اور فقہ میں بصیرت پیدا کی، خوب پذیرائی ہوئی، ابو اسحاق الشیرازی لکھتے ہیں ان کتابوں کی بدولت انہیں علمی فرمانروائی ملی[1] (قضاء کا عہدہ ملا)

عبدالسلام بن سعید التنوخی المعروف سحنون (۱۶۰ - ۲۴۰ھ ۷۷۷ - ۸۵۴ء) نے موصوف سے پڑھا،[2] اسد بن الفرات کے چھ برس کے بعد (۱۸۸ھ ۸۰۴ء) میں سحنون مصر آئے، امام عبدالرحمن بن القاسم العتکی سے "الاسدیۃ" کے مسائل میں مذاکرہ کیا، اس وقت ابن القاسم نے کہا:

"ان میں بعض ایسی باتیں ہیں جن میں تبدیلی ناگزیر ہے اور ان کا جواب اسد بن الفرات کو بھی لکھا تم اپنی کتابوں کا سحنون کی کتابوں سے مقابلہ کرو، لیکن اسد نے ایسا نہیں کیا جس سے انہیں صدمہ ہوا"[3]

سحنون کے اس اصلاحی اور مقابلہ و اضافہ کئے ہوئے "نسخہ الاسدیۃ لابن الفرات" کا دوسرا نام "المدونۃ الکبری" ہے یہ الاسدیہ کا نقش ثانی ہے جسے سحنون ۱۹۱ھ - ۸۰۶ء میں قیروان لائے، یہی کتاب عالم اسلامی میں مقبول و مشہور ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین الذہبی سیر اعلام النبلاء میں رقم طراز ہیں:

"اصل المدونۃ اسئلۃ سالہا اسد بن الفرات لابن قاسم"[4]

"المدونۃ الکبری کی اصل وہ سوالات ہیں جو اسد بن الفرات نے ابن القاسم سے کئے تھے"

امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ المدونہ میں فقہائے اہل عراق کی تفریعات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، اس لئے اس میں اہل عراق کے اصول کی جھلکیاں نمایاں ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

۱؎ طبقات الفقہاء ص ۱۳۲ ۲؎ سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۲۶ - عبدالرحمن بن خلدون المغربی: تاریخ ابن خلدون (المقدمہ) بیروت: دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء ص ۸۱۱ - ۸۱۲ ۳؎ سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۲۴، ۲۲۵ ۴؎ ایضاً ج ۱۲ ص ۶۸ -



"یہ بات ہر پڑھے لکھے کو معلوم ہے کہ مدونہ ابن القاسم کی اصل و بنیاد مسائل اسد بن الفرات ہیں جن کی تفریع فقہائے اہل عراق نے کی ہے، ان مسائل کے متعلق اسد نے ابن القاسم سے جواب پوچھے چنانچہ مسائل اسدیہ کی اصل سحنون کی روایت میں موجود ہے موصوف کے پاس امام مالکؒ سے منقول جواب تھے وہ بتائے اور کبھی اسد نے امام مالکؒ کے قول پر قیاس کرکے جواب دیا اس لئے ابن القاسم کے کلام میں قابل ذکر تعداد ان اقوال کی ہے جن میں ان کا میلان اہل عراق کی طرف نمایاں ہے اور وہ اہل مدینہ کے اصول کے مطابق نہیں ہے"[1]

مذکورہ بالا تاریخی حقائق سے معلوم ہوا کہ المدونۃ کی جو چھتیس ہزار جزئیات مسائل پر مشتمل ہے اس کی تدوین حنفی فقہ کے زیر اثر عمل میں آئی ہے اور اسے آج اسلامی دنیا میں المدونۃ الکبری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ در اصل امام محمد کے شاگرد اسد بن الفرات کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے، جس نے سرقسطہ کے محاذ پر میدان کارزار میں سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، یہاں اس کا مزار اور مسجد ہے[2]

**حنبلی مذہب** امت مسلمہ کے چار فقہی مذاہب میں سے چوتھے فقہی مذہب کے مقتدا و پیشوا مجتہد مستقل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے شاگرد تھے امام موصوف نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے تین[3] قمطر (بورے) لکھے تھے، ان کا کبھی کبھی مطالعہ بھی کرتے تھے، چنانچہ مورخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد میں بسند متصل روایت کرتے ہیں:

"مجھ سے الصوری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں، مجھے عبدالغنی بن سعید نے بتایا کہ ہم سے ابو طاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ نے بیان کیا کہ ان کے والد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے علم کے تین بورے لکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا وہ ان میں غور

۱؎ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۳۲۷ ۲؎ الانساب ج ۱ ص ۱۶۷ (الاقریطی)
۳؎ طبقات الفقہاء ص ۱۳۲ -

کرتے تھے نیز گاہ بگاہ ان کا مطالعہ کرتے تھے، زیادہ تر واقدی کی کتابیں پڑھتے تھے"۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے جس طرح امام شافعیؒ شاگرد تھے، اسی طرح امام احمد بھی ان کے شاگردوں میں سے تھے جو ان کے لکھے ہوئے نوشتوں سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہ میں ان کے مختلف اقوال میں کوئی ایک قول حنفیہ سے اکثر مطابقت رکھتا ہے۔

مذکورۂ بالا سند کے تمام مشہور و معروف راوی معتبر و ثقہ ہیں، اول الذکر دو راوی حافظ ہیں۔[2]

غرض امام احمد بن حنبلؒ نے بھی دقت نظر اور فقہی بصیرت کا ملکہ امام محمدؒ کی تصنیفات و تالیفات سے سیکھا چنانچہ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی المتوفی ۲۸۵ھ کا بیان ہے:

"میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں کا فیضان ہے"۔[3]

اس زمانے میں فقہ حنفی کی عالمی قبولیت کا اندازہ امام سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے وہ فرماتے تھے:

"میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ دو چیزیں (۱) حمزہ کی قرات اور (۲) ابوحنیفہ کی رائے و فقہ کوفہ کا پل پار کر سکیں گی لیکن یہ تو ساری (اسلامی) دنیا میں پھیل گئیں اور مقبول ہوگئیں"۔[4]

یہ امام محمدؒ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا ناقابل فراموش ثمرہ و نتیجہ ہے جن کے اثرات شافعیؒ، مالکیؒ اور حنبلی مذہب پر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں اور اسلامی تاریخ کے صفحات آج بھی مذکورۂ بالا امور پر شاہد عدل ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

[1] تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۱۵ (ترجمہ محمد بن عمر الواقدی) [2] کتاب الکسب للامام محمد الشیبانی تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ حلب مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ (الامام محمد دائرہ فی الفقہ الاسلامی ص ۳۳-۳۴) [3] الخطیب البغدادی ج ۲، ص ۱۷۷ [4] مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۲۰



# ہندوستان کے مشرقی کتابخانے اور ان سے متعلقہ مسائل

از پروفیسر نذیر احمد*

اکثر تہذیبوں کی طرح اسلامی تہذیب کا کتابوں اور کتابخانوں سے بہت گہرا تعلق ہے، چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام ہی سے ملک کے ہر حصے میں کتابخانے وجود میں آئے، علماء و فضلا کا اس سرزمین سے تعلق بڑھا تو جگہ جگہ کتابخانے قائم ہوئے، ان کتابخانوں کو حکومت کی بھی سرپرستی رہی، چنانچہ حکومت کے مختلف ادوار میں سرکاری اور غیر سرکاری و شخصی کتابخانے اتنی تعداد میں قائم ہوئے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا، سرکاری کتابخانے جو حکومت کی تحویل میں ہوتے ان سے کئی گنا زیادہ شخصی کتابخانے تھے جو علما، فضلا، امرا وغیرہ افراد کی علمی دلچسپیوں کے نتیجے میں قائم ہوتے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب چھاپہ خانے وجود میں نہیں آئے تھے اور کتابخانے کی ساری کتابیں ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں، ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کا علمی نام مخطوطہ ہے، مخطوطات اور مطبوعہ کتابوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک پریس کی ساری چھپی ہوئی کتابیں یکساں ہوتی ہیں، جبکہ دو مخطوطات یکساں ہو ہی نہیں سکتے، ان میں کسی نہ کسی طرح کا فرق ہوتا ہے، اس لحاظ سے ہر مخطوطہ اپنی الگ حیثیت اور اہمیت رکھتا ہے، ایک کتاب کے مخطوطات کی تعداد انگشت شمار ہوتی ہے، جب کہ مطبوعہ نسخوں کے ایک بار طبع شدہ کتابوں کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے، قدیم کتابخانوں میں صرف

* سابق صدر شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ سر سید نگر علی گڑھ۔

مخطوطات ہوتے تھے لیکن جدید دور میں مطبوعات کی تعداد مخطوطات سے زیادہ ہوتی ہے، مشرقی کتابخانے اپنے مخطوطات کی وجہ سے خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں ہندوستان میں متعدد مشرقی کتابخانے موجود ہیں، اگرچہ ان کی تعداد قدیم زمانے کے مقابلے میں بہت ہی کم ہوگئی ہے پھر بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان کے اپنے خاص مسائل ہیں، چنانچہ اس مقالے میں ان کے بعض مسائل کے بارے میں گفتگو کی جائے گی۔

ہندوستان کے مشرقی کتابخانے تین قسم کے ہیں۔

پہلی قسم ان کتابخانوں کی ہے جو کسی ادارے سے وابستہ ہوتے ہیں، ان اداروں میں یونیورسٹیوں اور مذہبی درسگاہوں کی بڑی اہمیت ہے، ہندوستان کے اکثر دینی دارالعلوم میں ان کے کتابخانے ادارے کی زینت ہوتے ہیں، ہندوستان میں دینی مدارس سے وابستہ کتابخانوں کی تعداد پچاسوں تک پہنچ جائے گی ان کے علاوہ مغربی طرز کی اکثر دانش گاہوں سے ایسے کتابخانے وابستہ ہوتے ہیں جو مشرقی کتابوں (اکثر مطبوعہ اور کچھ مخطوطات) کا خزانہ ہوتے ہیں، مذہبی دارالعلوم اور مغربی انداز کی دانش گاہوں سے متعلق سیکڑوں کتابخانے ہیں، یہ کتابخانے بڑی اچھی حالت میں ہیں، ان میں اکثر کی فہرستیں ہیں اور ان کے مخطوطات اور مطبوعات کی بڑی حفاظت ہوتی ہے، مخطوطات کے باقاعدہ کیٹلاگ ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے ان سے استفادہ میں آسانی ہوتی ہے، ان کتابخانوں میں برابر اضافہ بھی ہوتا ہے، اگرچہ مخطوطات کم حاصل ہوتے ہیں، لیکن ہندوستان کی اور ہندوستان سے باہر کی مطبوعات سے لائبریری کے خزانہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان کے علاوہ کم از کم تین مشرقی کتابخانے ایسے ہیں جو ہندوستان کی مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیں، ان کے سارے اخراجات حکومت پوری کرتی ہے، پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعہ ان کی حیثیت ATONOMOUS ادارے کی ہے، حکومت بورڈ آف ڈائریکٹرس مقرر کرتی ہے،



جس کا صدر صوبے کا گورنر ہوتا ہے، اسی بورڈ کے ذریعے کتابخانوں کا کام انجام پاتا ہے، یہ تین ادارے یہ ہیں: رضا لائبریری رامپور، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ اور سالار جنگ لائبریری و میوزیم حیدرآباد، ان تینوں کے علاوہ کچھ کتابخانے ایسے ہیں جن کو STATE کی حکومتیں چلاتی ہیں اس طرح کے کتابخانوں میں سب سے مشہور کتابخانہ آصفیہ لائبریری ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ کی تحویل میں ہے۔

ان کے ماسوا ایشیاٹک سوسائٹیوں کے تعلق سے دو ایک اہم مشرقی کتابخانے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ہے جس کے توسط سے نہ صرف سوسائٹی کے مختلف حصوں کے مفصل کیٹلاگ مرتب ہوچکے ہیں، بلکہ خاصی مقدار میں مخطوطات ایڈٹ ہوکر شایع ہوچکے ہیں۔

ہندوستان کے متذکرہ بالا کتابخانوں سے زیادہ اہمیت ان شخصی کتابخانوں کی ہے جو ہندوستان کے کونے کونے میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں، نہ ان شخصی ذخیروں کا احاطہ ہوسکتا ہے اور نہ ان سے استفادہ ہی، ہمارے دوست پروفیسر سید امیر حسن عابدی نے کتابخانوں کی تلاش میں ہزاروں میل کا سفر کیا ہے اور ایسے ہزاروں اشخاص سے ملے ہیں جو کتابخانوں کے مالک ہیں، اگرچہ یہ کتابخانے بالکل منتشر صورت میں ہیں اور وہ ایسے لوگوں کے قبضے میں ہیں جو نہ کتابیں دکھاتے ہیں اور نہ ان سے استفادہ کا موقع دیتے ہیں، ان میں بعض کسی نہ کسی اداروں سے متعلق تھے مگر غلط ہاتھوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ برباد ہوچکے ہیں، ایسا ہی ایک کتابخانہ آگرہ کے ایک کالج سے متعلق تھا جس میں ہزاروں قیمتی کتابیں ضایع ہوگئی ہیں، نہ اس کتابخانے کا کیٹلاگ ہے اور نہ کوئی دستی فہرست جس سے معلوم ہو کہ کون کون گوہر بے بہا بربادی کے ہاتھوں میں پڑکر ختم ہوئے۔ اگرچہ اکثر شخصی کتابخانے برباد ہورہے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں،

جو ترقی کی راہ پر گامزن ہیں، ان میں سے نواب رحمت اللہ خاں شیروانی کا شخصی کتابخانہ ہے جس میں ہر سال کافی کتابوں اور مخطوطات کا اضافہ ہوتا ہے، اس کتابخانے کے کافی مخطوطات کے مائیکرو فیلم بھی تیار ہوئے ہیں، غرض یہ کتابخانہ بفضلہ آج بھی ترقی کر رہا ہے۔

شخصی کتابخانوں کے سلسلے میں بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ ان کے مالکین مخطوطات دکھلانے سے گریز کرتے ہیں، بعض ایسے کتابخانے بھی ہیں جن کی دستی فہرستیں بھی ہیں، ان کے دیکھنے سے کتابخانے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن مخطوطات تک اکثر رسائی نہیں ہو پاتی، حال ہی میں راقم گجرات گیا، وہاں بعض کتابخانوں کے متعلق حالات معلوم ہوئے، احمد آباد میں قاضی صاحب کا ایک کتابخانہ ہے، اسے دیکھنے کے لئے قاضی صاحب کے یہاں حاضری دی مگر مخطوطات کے دیکھنے میں ناکام رہا، اسی کتابخانے میں عرفات العاشقین تقی اوحدی کا نسخہ دو جلدوں میں ہے جس کا کچھ حصہ بقول ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی خود مصنف کے خط میں ہے لیکن باوجود قاضی صاحب کے دولت کدے پر حاضری کے ان کے کتابخانے کی ایک کتاب بھی نہ دیکھ سکا، قابل ذکر بات ہے کہ گجرات کے اکثر خطوں میں مشرقی مخطوطات وافر تعداد میں موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ تیزی سے برباد ہو رہے ہیں۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ شخصی کتابخانے نہایت قیمتی مخطوطات سے مالا مال ہیں، کبھی کبھی ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ بعض نادر نسخے سامنے آجاتے ہیں، ایسے چند نسخے جو راقم کے علم میں آئے ہیں، ان کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔

گورکھپور میں شرفاء کا ایک خانوادہ سبز پوش نام کا ہے، یہ علم دوست خاندان ہے، اس خاندان کا ایک کتابخانہ جونپور میں خانقاہ رشیدیہ کے نام سے ہے، اس خانوادے میں حافظ کے دیوان کا قیمتی مخطوط تھا، نصف صدی سے زیادہ پہلے کچھ دنوں یہ نسخہ پروفیسر ڈاکٹر زبیر احمد



صدیقی صدر شعبۂ عربی و فارسی کلکتہ یونیورسٹی کے پاس تھا اور سنا ہے کہ انہوں نے ایک مقالہ کسی عالمی سیمینار میں پیش کیا تھا، راقم حروف کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نسخے کی بابت اطلاع حاصل کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن ڈاکٹر صدیقی سے کوئی اطلاع نہ ملی اور نہ سبز پوش خاندان کے کسی فرد کو اس کا علم تھا کہ ان کے خاندان میں دیوان حافظ کا کوئی قیمتی مخطوط ہے، ۱۹۵۵ء میں راقم علی گڑھ یونیورسٹی سے وابستہ ہوا تو وہاں سبز پوش کے خاندان کے ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو اس کے ذریعہ ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب کے پاس ایک نوٹس بھیجا کہ دیوان حافظ کا جو نسخہ آپ کو دیا گیا تھا وہ آپ نے واپس کیا یا نہیں، بڑی کوششوں کے بعد موصوف نے نسخے کی واپسی کا اقرار تو کیا، لیکن اس سلسلے کی مزید کوشش میں شرکت کرنے سے انکار کیا، لیکن نسخہ مطلوبہ کے بارے میں خانوادے کے کسی فرد کو کوئی اطلاع نہ تھی، اس وقت ہمارے دوست پروفیسر محمود الٰہی گورکھپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کی صدارت کے عہدے پر فائز تھے، وہ سبز پوش کے خانقاہ رشیدیہ جونپور سے واقف تھے اور اس کے کتابخانے سے برابر استفادہ کرتے تھے۔

کتابخانے کی حالت بہت سقیم تھی، عمارت خستہ حال میں تھی، مخطوطات کی کوئی باقاعدہ فہرست بھی نہ تھی، ڈاکٹر محمود الٰہی کو وہاں کی کتابیں دے دی جاتی تھیں اور وہ کتابیں گورکھپور لاتے اور بعد از استفادہ اسے جونپور کے خانقاہی کتابخانے کو واپس کر دیتے تھے، ایک بار اتفاقاً جو ایک کتاب الماری سے کھینچی تو دیوان حافظ کا وہی قدیم نسخہ نکلا جس سے پروفیسر زبیر صدیقی استفادہ کر چکے تھے، ڈاکٹر موصوف نے مجھے صورت حال سے مطلع کیا تو میں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ نسخہ سبز پوش خانوادے کے ذمہ دار جناب عارف سبز پوش صاحب کو واپس کر دیں اور ان سے وعدہ لیں کہ اس کی نقل مجھے فراہم کرا دیں لیکن نسخہ ملنے پر انہوں نے نقل دینے سے انکار کر دیا، اسی درمیان گورکھپور کے ایک سیمینار میں راقم کی شرکت ہوئی، اس میں عارف علی سبز پوش کے

چھوٹے بھائی ہاشم علی سبز پوش بھی موجود تھے، محفل کے خاتمہ پر ہاشم علی صاحب مجھ سے ملے اور نسخہ دکھانے کی پیش کش کی، چنانچہ انہوں نے وہ نسخہ مجھے دکھایا، میں نے اس سے ضروری استفادے کے بعد واپس دے دیا، پھر میں نے اس پر ایک تفصیلی مقالہ تہران یونیورسٹی کے جرنل ایران شناسی میں شایع کیا، دقیق مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اس وقت تک کے دریافت شدہ نسخے میں نسخہ گورکھپور سب سے زیادہ وقیع ہے، اس نسخے کی اہمیت معلوم ہونے پر نسخے کے حصول پر اصرار کیا گیا جو ممکن نہ تھا۔

اسی درمیان ہاشم علی سبز پوش کے بڑے بھائی کا جن کی تحویل میں نسخہ تھا انتقال ہوگیا، میں نے ہاشم علی صاحب کو تعزیت کا خط لکھا جس کے جواب میں موصوف نے نسخے کی نقل لینے کی اجازت دے دی تو میں مسلم یونیورسٹی کے لائبریرین رضوی صاحب کی اجازت سے لائبریری کے فوٹوگرافر احمد علی کو مائیکرو فیلم کے سارے ساز و سامان کے ساتھ گورکھپور لے گیا اور ان کو ایک جگہ چھپا دیا اور مخطوطے نقل کرنے میں لگ گیا جب پورا مخطوطہ نقل کر لیا تو ہاشم علی صاحب کے اصرار پر احمد علی فوٹوگرافر کے ذریعے مخطوطے کی تین نقلیں تیار کرائیں، ایک ہاشم صاحب کے لئے، ایک یونیورسٹی لائبریری کے لئے اور ایک خود اپنے لئے، پھر ہم لوگ علی گڑھ واپس آگئے اور دیوان حافظ کی ترتیب میں لگ گئے، حافظ کے دیوان کا سب سے معتبر نسخہ قزوینی تھا جس کی کتابت ۸۲۷ھ کی تھی چونکہ یہ نسخہ سب سے قدیم نسخہ تھا اس وجہ سے قزوینی نے اس کے تمام مندرجات کو معتبر قرار دیا اور بقیہ اور دوسرے تمام مندرجات کو الحاقی قرار دے کر اپنے مطبوعہ نسخے سے خارج کر دیا، راقم کا دریافت کردہ نسخہ گورکھپور ۸۲۴ھ کا مکتوبہ تھا، یعنی نسخہ قزوینی سے مقدم پھر اس کا کاتب بھی معلوم تھا اور اس نسخے میں دیباچہ بھی تھا اس وجہ سے نسخہ قزوینی سے زیادہ معتبر جب میں نے اس نسخے کی بنیاد پر ایک انتقادی متن تیار کر لیا تو میرے ایرانی دوست جلالی نائنی



تشریف لائے اور ایران میں چھاپنے کے وعدے پر لے گئے، پھر وہاں میرے رقم کردہ مقدمے میں بڑی تبدیلی کے بعد میرے نام کے ساتھ اپنا نام بھی شامل کر لیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ نسخہ نہایت مقبول ہوا اور اب تک اس کے آٹھ ایڈیشن نکل چکے ہیں (چاپ اول ۱۳۵۰، دوم ۱۳۵۲، سوم ۱۳۵۵، چہارم ۱۳۶۱، پنجم ۱۳۶۲، ششم ۱۳۶۷، ہفتم ۱۳۷۲، ہشتم ۱۳۸۰) جلالی نائینی کی طرف سے اس معاملہ میں جو بد معاملگی ہوئی اس کا بڑا چرچا رہا، پنجاب امریکہ میں شکاگو یونیورسٹی میں نسخہ گورکھپور کی دریافت پر مجھ سے ایک تقریر کی فرمائش ہوئی تو پھر فارسی میں ترجمہ ہو کر واشنگٹن ڈی سی کے مشہور ایرانی جرنل ایران نامہ میں شایع ہوا، اس کے بعد کئی جواب الجواب بھی نکلے۔

عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ دیوان حافظ کا یہ اہم نسخہ کسی بڑے کتابخانے میں نہ تھا، ایک شخصی کتابخانے کی ملک تھا اور یہ کتابخانہ نہایت خستہ حالت میں تھا۔

---

اسی طرح ایک شخصی کتابخانہ کے ایک اہم نسخے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جہانگیر نے اپنے زمانے کے واقعات خود قلم بند کئے تھے، ۱۲ سال کے واقعات جب لکھے جا چکے تو ان سے ایک مجلد تیار کرنے کا حکم صادر ہوا، جہانگیر لکھتا ہے کہ میں نے اپنے خاص خدمت گزاروں کو حکم دیا کہ ان بارہ سالہ حالات کی جلد بندی کر کے اس کی متعدد نقلیں ترتیب دی جائیں تاکہ میں اپنے خاص ملازموں کو عطا کروں اور اس کے نسخے تمام شہروں میں بھیجے جائیں تاکہ ارباب حل و عقد اور اصحاب سعادت اس کتاب کو اپنا دستور العمل بنائیں (تزک اردو، ج ۱ ص ۴۶۴)

---

دوبارہ پھر لکھا: چونکہ گذشتہ بارہ سال کے حالات مختلف بیاضوں میں تحریر کئے گئے تھے لہذا میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک جلد بنا کر اس کے متعدد نسخے مرتب کئے جائیں تاکہ میں انہیں خاص خاص امرا کو عنایت کروں اور یہ تمام شہروں میں بھیجے جائیں کہ ارباب دولت اور اصحاب

سعادت اس کتاب کو اپنا دستورالعمل بنائیں (ایضاً ج ۲ ص ۳۳)

---

توزک میں جہانگیر نے لکھا ہے : ۸ ماہ شہر یور ۱۰۲۷ کو جمعہ کے دن ایک واقعہ نویس نے ان پورے بارہ سال کے حالات یکجا مجلد کر کے میرے ملاحظے میں پیش کیا، چونکہ یہ پہلا نسخہ تھا جو میرے سامنے پیش ہوا تھا، میں نے یہ نسخہ فرزند شاہ جہاں کو عنایت کیا' میں شاہ جہاں کو ہر بات میں اپنے تمام بیٹوں پر مقدم رکھتا ہوں' کتاب کی پشت پر اپنے قلم سے میں نے لکھا کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر یہ کتاب اس فرزند کو عنایت کی گئی، امید ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالب کے سمجھنے کی توفیق حاصل کر کے خوش نصیبی سے بہرہ ور ہوگا جو خالق کی خوشنودی اور مخلوق خدا کی دعاگوئی کا باعث ہیں۔

(ایضاً ج ۲ ص ۳۳)

---

پھر چار ماہ مہر ۱۰۲۷ کے ذیل میں جہانگیر لکھتا ہے :

اسی عرصے میں جہانگیر نامے کی دو جلدیں (مراد نسخے ہیں) مرتب ہو کر میری نظر سے گزریں، ان میں سے ایک جلد چند روز پہلے میں نے مدارالمہام اعتمادالدولہ کو عنایت کر دی تھی اور آج کی تاریخ میں دوسری جلد فرزند آصف خاں کو عنایت کی۔

---

جہانگیر پھر لکھتا ہے :

۵ ماہ بہمن ۱۰۲۸ کو سلطان پرویز کے قاصد نصراللہ کے ذریعہ جہانگیر نامے کی ایک جلد اور پنچاق کا ایک گھوڑا روانہ کیا گیا تاکہ وہ یہ چیزیں فرزند سلطان پرویز کو پیش کرے۔

---

خلاصہ یہ کہ جہانگیر نامے کی متعدد جلدیں جو اول بارہ سال کے واقعات کی حاوی تھیں' ۱۰۲۷ھ میں تیار کی گئی تھیں' ان میں چار کا ذکر توزک میں ہے' پہلی شاہ جہاں کو دوسری اعتمادالدولہ کو تیسری آصف خاں کو' چوتھی پرویز کو عنایت ہوئی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو نسخہ شاہ جہاں کو عنایت ہوا تھا، وہ ملتان کے گردیزی خاندان کے



ایک بزرگ کے خاندانی کتابخانے میں محفوظ ہے' اس کی تفصیل اس طرح ہے :

ملتان کے گردیزی خاندان کے ایک معزز رکن سید رمضان علی شاہ گردیزی کی لائبریری میں تزک جہانگیری کا وہی نسخہ موجود ہے جو جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو عطا کیا تھا' کتاب کے بیرونی صفحے پر جہانگیر کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب وہی ہے' جو جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو عطا کی تھی' کتاب کے بہت سے مطالب جلد بندی کے وقت بے احتیاطی کے باعث کٹ گئے ہیں' کچھ اوراق ایسے ہیں جن کی مرمت اس طرح ہوئی ہے کہ الفاظ خراب ہو گئے ہیں اور پڑھے نہیں جاتے' یہ شروع کے اوراق ہیں' جہانگیر کی خودنوشتہ تحریر یہ ہے :

اللہ اکبر

بعد از جلوس ہمایوں بخاطر رسید کہ واقعات زمان دولت ابد پیوند بر دستوریکہ حضرت فردوس مکانی بزبان ترکی در قید تحریر آوردہ واقعات بابری نام نہادہ' بزبان فارسی کہ عام فہم باشد نیز [در قید تحریر] آرم' چون دوازدہ سالہ احوالش بہ بیاض رفتہ بود در روز مبارک ہفتہ شہر یور سنہ ۱۲ جلوس مطابق بیستم رمضان ۱۰۲۷ ... درین روز ... از احمد آباد گجرات توجہ دارالخلافہ آگرہ بود' این نسخہ شریف بفرزند سعادت مند      دوحۂ شجرۂ وجود .... مخصوص بعنایت فلک مکان ...

حاشیے کے ایک جانب یہ تحریر ہے :

این دفتر اول جہانگیر نامہ را پدر بزرگوار بمن عنایت فرمودند

"حررہ شاہ جہاں"

قابل ذکر امر یہ ہے کہ جہانگیر نامے کی جلد اول کے نفیس بیش بہا تاریخی نسخے کا یہ ایک غیر معروف کتابخانے میں ملا، ضرورت ہے کہ جہانگیر نامے کے جلد اول کا دوبارہ ایڈیشن اس بیش قیمت

تاریخی نسخے کی مدد سے تیار ہو۔

۱۹۴۸ء میں جب دیوان حافظ کا نسخہ گورکھپور تہران میں چھپا تو اس کے سیکڑوں نسخے ہندوستان میں تقسیم ہوئے ان میں سے ایک نسخہ جناب میکش اکبرآبادی کی خدمت میں پیش ہوا تھا، ان ہی دنوں جامعہ اردو علی گڑھ کی ایک میٹنگ میں موصوف سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے برجستہ کہا کہ "آپ کو قیمتی نسخے کیونکر مل جاتے ہیں" میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسا نسخہ نہیں کہ آپ کو بتادوں اور کل سے آپ نئے قیمتی نسخے حاصل کرلیں، پھر انھوں نے کہا میرے پاس خاندانی کتابخانہ تھا، اس کی کتابیں ضایع ہوگئی ہیں، دو چار نسخے باقی ہیں، ایک ان میں ترجمہ عوارف المعارف ہے اور مترجم کوئی قاضی اچہ ہیں، اتفاق دیکھئے کہ قاضی اچہ کے ترجمے کا ایک ناقص نسخے کے بارے میں سخاوت مرزا نے ایک مقالہ فکر و نظر میں چھاپا تھا، اس پر میں نے ایک تکملہ لکھا تھا، غرض یہ کہ میں قاضی اچہ کے ترجمے سے واقف تھا، میکش صاحب کے ایک نسخے کی اطلاع سے مجھے غیر معمولی خوشی ہوئی، چنانچہ دوسرے دن صبح میں آگرہ ان کی خدمت میں پہنچ گیا، ان کو سخت تعجب ہوا، بہرحال میں نے ترجمہ عوارف دکھلانے کی خواہش کی، انھوں نے نسخہ دیا، اس کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، نہایت قدیم نسخہ ہے، شام تک اس نسخے کا مطالعہ کیا اور اس سے ضروری نوٹ لئے، جب چائے پر ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ نادر نسخے حاصل کرنے کا نسخہ مجھ سے چاہتے تھے، جب آپ اپنے ذاتی نادر نسخے کے بارہ میں کوئی بات نہیں جانتے تو دنیا میں پھیلے نادر نسخوں کی تلاش آپ کے بس کی بات نہیں، بعد میں یہ نسخہ مسلم یونیورسٹی کے لئے خرید لیا گیا اور راقم نے اس پر کئی مقالے شایع کئے ہیں، بلاشبہ یہ عوارف کا سب سے قدیم ترجمہ ہے جو حضرت بہاء الدین ذکریا کے مشورے سے ہوا اور قاسم داؤد قاضی اچہ اس کے مترجم ہیں اور یہ ترجمہ اس علاقے کے حکمران ابوبکر بن ایاز کے نام معنون ہے، ۷۳۹ھ کے کچھ قبل یہ ترجمہ ہوا ہوگا، راقم نے اس پر اردو اور انگریزی میں



کئی مضامین چھاپے ہیں لیکن یہ مخطوطہ کافی ضخیم ہے، اس کا چھپنا کافی مشکل ہے، اس کا ایک نامکمل نسخہ نواب رحمت اللہ شروانی کے کتابخانے میں محفوظ ہے۔ غرض ایک شخصی کتابخانے میں ایسے نادر نسخے کا پتہ چلا۔

پروفیسر کبیر احمد جائسی میرے عزیز شاگرد ہیں، ان کے پاس مثنوی روم کا ایک نادر نسخہ ہے، یہ نسخہ عبداللطیف گجراتی کی مرتبہ مثنوی کا ہے جو انھوں نے نسخۂ ناسخۂ مثنویات سقیمہ کے عنوان سے مرتب کیا تھا، مثنوی کا نسخہ ان کے نزدیک بہت سقیم تھا تو انھوں نے سو نسخے جمع کئے اور ان کی مدد سے ایک نسخہ تیار کیا جس کا عنوان: "نسخۂ ناسخۂ مثنویات سقیمہ" قائم کیا، اس کے کافی نسخے دنیا کے کتابخانے میں مل جاتے ہیں، مسلم یونیورسٹی میں اس کا ایک نسخہ نہایت خوبصورت خط میں موجود ہے، لیکن جائسی صاحب کے نسخے کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ اس کے کاتب سلیمان کرد ہیں، سلیمان کرد اپنے دور کے نہایت ممتاز عالم تھے اور عبداللطیف گجراتی کے معاصر، مرتب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے شاگرد و خلیفہ تھے، نظم و نثر دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے، عربی و فارسی دونوں کے عالم تھے، سلیمان کرد ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی صاحب کے مطالعے کے دل چسپ موضوع رہے ہیں، مثنوی کا یہ نسخہ احمد آباد کے عارفوں کا خانقاہی نسخہ ہے اور اس پر حسب ذیل حضرات کے دستخط ہیں:

حیدر بن عبداللہ بن وجیہ الدین    احمد بن سلیمان

ابن عبداللہ حیدر

محمد بن احمد

محمد رضا بن غلام بن احمد بن سلیمان    شیخ عماد الدین بن شیخ ولی اللہ بن شیخ محمد۔

شیخ وجیہ الدین کے پوتے شیخ حیدر ہیں اور جو اس نادر نسخے کے پہلے مالک ہیں ان کے دادا شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلفا میں تھے، ۹۹۶ھ میں فوت ہوئے، اس کے بعد

ان کے بیٹے اسد اللہ سجادہ نشین ہوئے، پھر ان کے بھائی حیدر، یہی حیدر اس نایاب نسخے کے مالک تھے۔
شیخ حیدر جہانگیر کے معاصر تھے، ان کو جہانگیر نے شیخ وجیہ الدین کے عرس کے لئے ایک ہزار
روپے عنایت کئے تھے۔ پروفیسر جائسی کے بھائی کو کسی نے یہ نسخہ عنایت کیا تھا، اس نسخے کی
اہمیت کے وجوہ یہ ہیں:

۱۔ یہ مثنوی نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ کا نسخہ ہے۔

۲۔ یہ مثنوی سو نسخوں کی مدد سے تیار ہوئی، احمد آباد کے زبردست دانشور عبداللطیف عباسی
اس کے مرتب تھے، اس کی ترتیب میں سو نسخوں سے استفادہ ہوا۔

۳۔ یہ بڑے جید عالم شیخ سلیمان کرد کی کتابت کا ہے۔

۴۔ یہ نسخہ عارفوں کی خانقاہ کا نسخہ ہے۔

عمید لوہکی سلطان التمش کے بیٹوں کے دور کا فارسی شاعر گذرا ہے، اس کے دیوان کا نسخہ
نہیں ملتا، بمبئی کے ایک صاحب کے پاس ایک مجموعہ تھا جس میں عمید کا بھی کلام شامل تھا، بقیہ
دو شاعر ازرقی ہروی اور بدر چاچ ہیں، تینوں شاعروں کے کلام سلسلے وار بغیر کسی حد فاصل کے
نقل ہیں۔ اس میں عمید کے ۱۵ منظومات شامل ہیں، ان میں چند قصائد و مقطعات ہیں، ایک ترکیب
اور ایک رباعی ہے، راقم حروف کی معرفت یہ نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری کے لئے خریدا گیا، پھر راقم
حروف کی ترتیب سے دیوان عمید لوہکی کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۸۵ء میں یہ دیوان
شایع کر دیا۔ میرے مرتبہ دیوان میں ایک مفصل مقدمہ انگریزی میں اور ایک مختصر مقدمہ فارسی میں
ہے، اس مجموعے کی دریافت سے ہندوستان کے دور اول کے ایک اہم شاعر کے کلام تک رسائی
ہوئی، عمید اپنے عہد کا کافی اہم شاعر تھا چنانچہ فرہنگ جہانگیری میں اس کے نوے سے زیادہ
اشعار سے مختلف لغات کے معانی کا تعین ہوا ہے۔ غرض دیوان کے اس نسخے کی دریافت ہندوستانی



فارسی ادب میں قابل توجہ اضافے کی موجب ہوئی۔

مولوی سبحان اللہ رئیس گورکھپور کے پاس حافظ کے دیوان کا وہ نسخہ تھا جو سلاطین مغلیہ کا
خاندانی نسخہ تھا، جس سے ہمایوں اور جہانگیر فال نکالا کرتے اور اکثر اشعار جن سے فال نکلتی تھی، وہ
دیوان کے نسخے ہی میں درج کر دئے جاتے، جہانگیر نے بعض فالوں کا ذکر توزک میں کیا ہے اور اس میں
مذکور سارے فال اس نسخے کے حاشیے میں درج ہیں، یہ نایاب روزگار نسخہ خدا بخش لائبریری میں پہنچا،
بعد میں وہیں سے شایع ہوگیا، قند پارسی (ایران ہاؤس، دہلی) میں پروفیسر عابدی اور راقم حروف نے
اس نسخے پر الگ الگ مقالے شایع کئے ہیں، حافظ کے دیوان کا اسی طرح کا کوئی اور شاہی نسخہ کہیں
موجود نہیں۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ ادھر ادھر منتشر شخصی کتابخانے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں،
بسا اوقات ان میں ایسے نسخے مل جاتے ہیں جو ہماری ادبی تاریخ کے خلا کو پورا کرتے ہیں، اس بنا پر
ان کی جمع آوری اور ان میں شامل مخطوطات کا مطالعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن بدقسمتی کی
بات ہے کہ ان سے استفادے اور ان کی جمع آوری کا خیال ہی نہیں ہوتا اور خیال ہو بھی تو یہ کام
بہت بڑا ہے اور کسی بہت بڑے پروجکٹ کے بغیر اس کا خیال بھی نہیں ہو سکتا، ضرورت اس بات
کی ہے کہ گورنمنٹ پر اس کی اہمیت واضح کی جائے اور اسے بتایا جائے کہ شعبہ باستان شناسی
سے جیسے دو شعبے EPIGRAPHY اور ASI متعلق ہیں ایسے ایک نیا شعبہ MANNSC-
RIPTOLOGY کھولا جائے جس کے اغراض و مقاصد اس طرح کے ہوں:

۱۔ ملک بھر کے مخطوطات کا سروے اور ان کی جمع آوری و حفاظت۔

مخطوطات کی حفاظت کا معاملہ نہایت پیچیدہ ہے۔ مخطوطوں کی آسانی سے چوری ہو جاتی
ہے، اس سلسلے کا ایک واقعہ تمثیلاً ذکر کیا جاتا ہے: برٹش میوزیم میں ہندوستان کی ایک مرتبہ بیاض

موجود ہے جس کو کیٹلاگر نے دستور الشعراء کا نام دیا ہے، یہ بیاض فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستان میں مرتب ہونا شروع ہوئی اور جونپور کے شرقی کے زمانے تک یہ کام جاری رہا، شرقی سلطان مبارک شاہ جو ۸۰۲ھ میں تخت نشین ہوا ہے اس کی مدح میں ایک قصیدہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ۷۵۹ھ کے بعد یہ مجموعہ شروع ہوا اور ۸۰۳ ہجری کے بعد تک جاری رہا۔ برٹش کا نسخہ شروع سے ناقص ہے اس لئے نہ مرتب کا نام معلوم ہے اور نہ مجموعے کا نام مجھے بعد میں اس کے ایک نسخہ تک رسائی ہوئی جو کابل یونیورسٹی میں تھا۔ وہ شروع میں کامل ہے اور اسکا نام مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف درج ہے اور مرتب کا نام سیف جام ہروی ہے، فی الحال نسخۂ کابل گم ہوگیا اور نسخے کے میرے تیار کردہ عکس بھی کھو گئے، لیکن یہ نسخہ پاکستان میں بچا گیا اور کچھ دنوں میرے دوست عارف نوشاہی کے پاس رہا، چنانچہ انہوں نے ایک دلچسپ مقالہ تہران کے رسالہ معارف ۱۳۷۸ھ میں لکھا جس میں اس موضوع سے متعلق میرے مطالعات کے ذکر کے بعد نسخے کی بازیافت کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ مخطوطہ شناسی کے مسائل اس موضوع پر SHORT TERN کورس۔

۳۔ کیٹلاگ اور کیٹلاگر کے مسائل۔

۴۔ مخطوطات کے دوسرے ذخیروں سے روابط۔

۵۔ مخطوطات سے متعلقہ مسائل پر سیمنار۔

۶۔ قیمتی اور نادر مخطوطات کا جدا جدا تعارف۔

۷۔ نادر اور نایاب مخطوطات کی اشاعت۔

۸۔ بعض مخطوطات سے متعلق ریسرچ جرنل کی اشاعت، وہ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اور ایشیاٹک ریسرچز کے ماڈل پر ہوں۔

۹۔ ملک بھر میں بیداری پیدا کی جائے کہ یہاں کے مخطوطات عمارتوں اور کتبات سے کم قیمتی نہیں۔



# اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات کی ندرت

از

جناب محمد بدیع الزماں صاحب ٭

تلمیحات کے معنی یہ ہیں کہ کم از کم الفاظ سے بلاغت پیدا کی جائے اور طویل مضمون اور کتابوں اور علمی مسئلوں اور اصولوں کو بیان کرنے میں جو وقت ضائع کرنا پڑتا ہے اس سے تلمیحوں اور اصطلاحوں کے ذریعے بچا جائے۔ جس زبان میں تلمیحات کم ہیں یا بالکل ہی نہیں ہیں وہ بلاغت سے گری ہوئی خیال کی جاتی ہیں۔

تلمیحات کے ذریعہ کسی زبان کے گزشتہ واقعات اور تاریخ، اس کے بولنے والوں کے مذہبی عقائد، ان کے اوہام، ان کے معاشرتی حالات اور ان کی رسوم اور مشاغل معلوم ہوتے ہیں، کسی قوم نے جس طرح تمدنی منزلیں رفتہ رفتہ طے کی ہیں اور جو تبدیلی اس کی زندگی میں یکے بعد دیگرے ہوتی رہی ہیں، اس کی زبان کی تلمیحات کے مطالعہ سے سب نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ الغرض تلمیحات شائستہ قوموں کی ادبیات کی جان ہیں کیونکہ ان معنی خیز اشاروں سے شاعر یا ادیب اپنے کلام اور تحریر میں بلاغت کی روح پھونکتا ہے۔

تلمیحات کے بہت سے ماخذ ہیں جیسے دیومالا، مذہبی قصے اور عقائد کی کتابیں، تاریخی واقعات، عام فرضی قصے اور افسانے، ڈراما یا ناٹک کی کتابیں وغیرہ۔ اردو زبان میں دو طرح کی تلمیحات ہیں، ایک

٭ ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ۔

ادبی تلمیحات یعنی وہ تلمیحیں جو اردو نثر و نظم میں مستعمل ہیں۔ دوسری عام تلمیحات یعنی وہ تلمیحات جو عام طور سے بول چال میں داخل ہیں۔

اس مضمون میں اقبال کے کلام میں مذہبی عقائد کی کتاب یعنی قرآنی تلمیحات کا ذکر لایا جا رہا ہے۔ ایسے تو اقبال کے قبل بھی اردو شعراء نے بہت سی قرآنی تلمیحات جن میں قرآنی قصے بھی شامل ہیں اپنے کلام میں استعمال کیا ہے مگر کسی نے قرآن کی کسی آیت کو مصرعہ نہیں بنایا۔ دوسرے اقبال کے کلام میں بہت سی ایسی قرآنی تلمیحات ہیں جو ایک یا دو لفظ میں ہیں جن میں بعض صرف ایک بار قرآن میں وارد ہیں اور جنھیں اقبال کے قبل عمومی طور پر کسی شاعر نے استعمال نہیں کیا۔ ایسے تو قرآنی قصے بھی قرآنی تلمیحات میں داخل ہیں مگر ان قصوں میں ہر قصہ پر اقبال کے اتنے سارے اشعار ہیں کہ طوالت کی وجہ سے انہیں پیش نہیں کیا جا رہا ہے، اس لئے اس مضمون میں صرف وہ قرآنی تلمیحات پیش کی جا رہی ہیں جو آیت کی شکل میں ہیں یا ایک یا دو لفظ میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں قسم کی اقبال کے کلام میں اتنی ہی تلمیحات ہیں۔ یہاں بھی طوالت کی وجہ سے سب کو پیش کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

پہلے وہ قرآنی تلمیحات پیش خدمت ہیں جو اقبال کے کلام میں آیت کی شکل میں بطور مصرعہ آئی ہیں یہاں بھی طوالت کی وجہ سے بعض تلمیح میں پوری آیت کا ترجمہ نقل نہ کر کے ان کے قرآنی حوالے سورۃ کے نمبر شمار اور آیت کے نمبر شمار کے ساتھ دئے جا رہے ہیں۔

**اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ** : اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درجِ ذیل شعر "بالِ جبریل" کی غزل ۵۹ کا ہے :

علم کا "موجود" اور، فقر کا "موجود" اور | اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ



اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔" (آل عمران ۱۸)

**اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ** : اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درجِ ذیل شعر "بانگ درا" کی غزلیات حصہ سوم کی آخری غزل کا ہے جس کے دوسرے مصرعہ میں انہوں نے "لسان العصر" اکبر الٰہ آبادی کے ایک مصرعہ کی تضمین کی ہے :

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے | "اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یاد رکھ"

اس فقرے کے معنی ہیں "فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے"۔ یہ فقرہ ہو بہو انہی الفاظ میں سورۃ یونس ۵۵، الروم ۶۰، لقمٰن ۳۳، فاطر ۵، المومن ۵۵، الجاثیہ ۳۲ اور الاحقاف ۱۷ میں وارد ہے۔ علاوہ ازیں "وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا" کا فقرہ بھی سورۃ النسآء ۱۲۲، یونس ۴، لقمٰن ۹ میں وارد ہوا ہے۔ اور سورۃ الروم ۶ میں انہی معنوں میں صرف "وَعْدَ اللّٰهِ" بھی وارد ہے۔

ان سبھی آیات میں خدائے تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کا اعادہ کیا ہے کہ روزِ حشر وہ نیک عمل کرنے والوں کو جزا اور کفر کی راہ اختیار کر کے برا عمل کرنے والوں کو سزا دے گا۔

**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** یہ تلمیح سورۃ الم نشرح کی درج ذیل آیت ۴ میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا گیا "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اے نبیؐ) اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔

اقبال نے اس تلمیح کو اپنے کلام میں صرف ایک بار "بانگِ درا" کی نظم "جواب شکوہ" کے درج ذیل چونتیسویں[34] بند میں استعمال کیا ہے :

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے | بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے | اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

یہ سورۃ الم نشرح مکی ہے، جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس شخص (رسول اللہؐ) کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہوں اور وہ بھی شہر مکہ تک محدود ہوں، اس شخص کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہو سکتا ہے اور اسے ناموری کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کی بستی موجود نہ ہو اور ہر روز پانچ وقت اذان کی آواز نہ گونجتی ہو۔

حدیث میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا: "میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفع ذکر کیا؟"۔ میں نے عرض کیا: "اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔ انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا"۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم، مسند ابو یعلیٰ، ابن حبان)

**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** : یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "ضرب کلیم" کی نظم "ذکر و فکر" کے درج ذیل شعر میں آئی ہے ؎

مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ  مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان

اقبال نے یہ تلمیح حدیث سے اخذ کی ہے اور احادیث میں یہ اصطلاح سورۃ الاعلیٰ کی اس پہلی آیت سے لی گئی ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی (اے نبیؐ) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو۔

احادیث میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنے کا حکم اسی آیت کی بنا پر دیا تھا اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم رکوع میں پڑھنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا تھا وہ سورۃ الواقعہ کی آخری آیت ۹۶ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْم (پس اے نبیؐ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو) پر مبنی ہے۔ (مسند ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان،



حاکم، ابن المنذر)

سورۃ الواقعہ کی متذکرہ بالا آیت سورۃ الحاقہ کی آیت ۵۲ میں بھی ہو بہو انہی الفاظ میں وارد ہے۔

**قُلْ ھُوَاللّٰہ** : اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ضرب کلیم" کی نظم "توحید" کا ہے ؎

قُلْ ھُوَاللّٰہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام  میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے

اقبال نے سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت "قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" سے دو اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ ایک "قُلْ ھُوَاللّٰہ" اور دوسری "ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" اور دونوں کو الگ الگ شعر میں اس برجستگی سے استعمال کیا ہے کہ ہر اصطلاح شعر کے موضوع کی مناسبت سے پوری آیت کے معنی کا حق ادا کرتی ہے دوسری اصطلاح "ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" آگے آرہی ہے۔

اللہ عربوں کے لئے کوئی اجنبی لفظ نہ تھا۔ قدیم زمانہ سے وہ خالق کائنات کے لئے یہی لفظ استعمال کرتے آرہے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں پر اس کا اطلاق نہیں کرتے تھے۔ جن کے لئے ان کے ہاں "اِلٰہ" کا لفظ رائج ہے۔ مشرکین مکی دور میں بار بار رسول اللہؐ سے یہ سوال کرتے تھے کہ آخر تمہارا رب کون اور کیسا ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو۔ اس لئے آپؐ کو مخاطب فرما کر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ "قُلْ" یعنی کہو کہ "ھُوَاللّٰہ" یعنی یہ وہی اللہ ہے جسے تم بھی جانتے ہو۔ یعنی یہ تمہارا "اِلٰہ" نہیں اور "اِلٰہ" کی تردید میں اس کے بعد ہی فرمایا گیا "ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" یعنی وہ اپنی صفات میں یکتا و اکیلا ہے تاکہ پھر وہ "اللہ" کے ساتھ "اِلٰہ" کی بات نہ لائیں۔

اس بات کا ثبوت کہ مشرکین مکہ "اَللّٰہ" کے قائل تھے اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب ابرہہ نے جو حبش کی عیسائی بادشاہت میں یمن کا گورنر تھا اور رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بن بیٹھا۔ ۵۷۰ء

**لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** : یہ کلمہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۳۵ میں وارد ہے جس کے معنی ہیں:

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

اس کلمہ طیبہ کی تصریح سورۂ ابراہیم کی آیات ۲۴ اور ۲۵ میں اور اس کی ضد کلمہ خبیثہ کا ذکر اس کی اگلی آیت ۲۶ میں تمثیلی پیرایۂ بیان میں وارد ہوا ہے۔ کلمہ طیبہ سے مراد وہ قول حق اور عقیدۂ صالحہ ہے جو سراسر حقیقت اور راستی پر مبنی ہے۔ یہ ایک ایسا بارآور اور نتیجہ خیز کلمہ ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے اس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے، جیسا آیت ۲۶ میں ارشاد ہے، کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لیے استحکام نہیں ہے۔

اللہ کی دو شانیں ہیں۔ شان جلال و شان جمال۔ "لَآ اِلٰہَ" اس کی شان جلال کا مظہر ہے اور "اِلَّا اللّٰہُ" کی شانِ جمال کا جس سے ہستی باری کا اثبات ہوتا ہے، یہی دونوں اسلام کی اصل روح ہیں اور انسانی زندگی کی تکمیل کے لیے یہی دو چیزیں ضروری ہیں۔

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں کل آٹھ اشعار ہیں۔ سات اشعار "ضرب کلیم" کی نظم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" میں ہیں اور آٹھواں شعر "بال جبریل" کی غزل ۲۳ کا یہ ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

**لَآ اِلٰہَ اِلَّآ** : اس کے معنی ہیں "میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے"۔ یہ اصطلاح قرآن میں سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۴ میں وارد ہے۔ اقبال نے اسے اسی لیے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا مخفف مان کر جس درج ذیل شعر میں استعمال کیا ہے اس اصطلاح سے پورے کلمہ طیبہ کا جواز فراہم کر دیا ہے۔ اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی شعر "بال جبریل" کی غزل ۲۲ کا ہے۔

• جس کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے سورۂ الحجرات کی آیات ۱۴ اور ۱۵ کی منظوم ترجمانی کی ہے ؎



تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

**لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ** : اس کے معنی ہیں "اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے"۔ یہ فقرہ ہو بہو قرآن کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵، سورۂ آل عمران کی آیات ۲، ۶ اور ۱۸، سورۃ الانعام ۶ کی آیت ۱۰۶، سورۃ المومنون کی آیت ۱۱۶، سورۃ القصص کی آیات ۷۰ اور ۸۸، سورۃ المومن کی آیت ۶۵ اور سورۃ الحشر کی آیت ۲۳ میں وارد ہے۔

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں کل دو درج ذیل اشعار ہیں۔ پہلا شعر "بال جبریل" کی غزل ۹ (اول) کا ہے اور دوسرا "ارمغان حجاز" کی نظم "مسعود مرحوم" کا ہے۔ موخر الذکر نظم سر سید احمد خاں کے پوتے سر راس مسعود پر مرثیہ ہے:

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو

جہاں کی روحِ رواں لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو
مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے؟

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے سورۃ آل عمران کے رکوع ۵ اور ۶ اور سورۃ النساء کے رکوع ۲۲ کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھائے جانے کا ذکر وارد ہوا ہے۔ اسی پر "بانگِ درا" کی نظم "سرگذشت آدم" کا یہ شعر بھی ہے ؎

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

**نوٹ** : اقبال نے کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کو مخفف کر کے کئی درج ذیل اصطلاحیں وضع کی ہیں:-

(۱) **لَآ اِلٰہَ** : اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں بارہ اشعار ہیں۔ جو "بانگ درا" کی نظم "تضمین بر شعر انیسی شاملو"، "بال جبریل" کی غزلیات ۸ (دوم)، ۳۲ اور ۴۴ اور نظم "مسجد قرطبہ" کے چوتھے بند اور "ضرب کلیم" کی نظمیں "تصوف"، "نکتہ توحید"، "حکیم نطشہ"، "جاوید سے"، "مسجد"

قوت الاسلام" اور " محراب گل افغان" کے انیسویں بند اور " ارمغان حجاز" کی ایک رباعی میں ہیں۔

(۲) **لَا وَ اِلَّا** : اقبال نے لَا اِلٰہَ کے لَا اور اِلَّا اللّٰہُ کے اِلَّا کو دو اصطلاحیں وضع کی ہیں، جنھیں انھوں نے اپنے کلام میں الگ الگ معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ان کے کل دو اشعار ہیں۔ پہلا شعر " بالِ جبریل" کی غزل ۱ (دوم) میں اور دوسرا "ضرب کلیم" کی نظم " لَا وَ اِلَّا " میں ہے۔

(۳) **لَا وَ اِلَّا اللّٰہ** : یہاں بھی اقبال نے لَا اِلٰہَ کی جگہ صرف لَا کو الگ بطور اصطلاح استعمال کیا ہے اور اِلَّا اللّٰہُ کو الگ۔ ان دونوں اصطلاحوں سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی شعر " بانگ درا" کی نظم " سوامی رام تیرتھ" میں ہے

**لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ** : اس کے معنی ہیں " اپنے وعدہ سے ٹلنے والا نہیں"۔ یہ نقرہ سورۃ آل عمران کی آیت ۹ اور سورۃ الرعد کی آیت ۳۱ میں وارد ہے۔ اس سے اقبال کے کلام میں درج ذیل کل دو اشعار ہیں۔ پہلا شعر " بانگ درا" کی نظم " خضر راہ" کی ذیلی نظم " دنیائے اسلام" کا ہے اور دوسرا اسی مجموعہ کی غزلیات حصہ سوئم کی آخری غزل کا:

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار ہر زماں پیش نظر لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ دار

اے مسلماں ہر گھڑی پیش نظر آیۂ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ رکھ

**لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا آخَرَ** : اس کے معنی ہیں: " اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو"۔ یہ نقرہ سورۃ القصص ۲۸ کی آیت ۸۸ میں وارد ہوئے فرمایا گیا ہے:

" اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو (وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا آخَرَ)۔

یہ نقرہ الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ انھی معنوں میں سورۃ المومنون کی آیت ۱۱۷، سورۃ الفرقان کی آیت ۶۸ اور سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۳ میں بھی وارد ہے۔



اقبال نے یہ فقرہ صرف ایک بار اپنے کلام میں "ضرب کلیم" کی نظم " لاہور و کراچی" کے درج ذیل شعر میں استعمال کیا ہے ؎

آہ! اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں حرفِ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا آخَرَ

**لَا شَرِیْکَ لَہٗ** : یہ فقرہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۳ میں وارد ہے جو اس کے قبل کی آیت ۱۶۲ کے ساتھ ان الفاظ میں وارد ہے:

" کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے (۱۶۲)، جس کا کوئی شریک نہیں (لَا شَرِیْکَ لَہٗ)، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں"۔ (۱۶۳)

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ضرب کلیم" کی نظم " محراب گل افغان کے افکار" کے دوسرے بند کا ہے ؎

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا اتر گیا جو ترے دل میں لَا شَرِیْکَ لَہٗ

**لَا غَالِبَ اِلَّا ھُوَ** : اقبال نے یہ نقرہ قرآن کی ہم معنی آیات جو سورۃ آل عمران کی آیات ۱۳۹ اور ۱۶۰، سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۶، سورۃ محمد کی آیت ۳۵، البقرہ کی آیت ۲۴۹ اور سورۃ المجادلہ کی آیت ۲۱ میں وارد ہیں، سے وضع کی ہے۔ ایسی چند آیات درج ذیل ہیں:

" دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے (وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ)، اگر تم مومن ہو"۔ (آل عمران ۱۳۹)

" اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ

دکھنا چاہیے۔" (آل عمران ۱۴۰)

"جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے" (فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ)۔ (المائدۃ، ۵۶)

"پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو (وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ) اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضایع نہ کرے گا۔" (محمد، ۳۵)

"بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ، اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔" (البقرہ، ۲۴۹)

"لَا غَالِبَ اِلَّا ھُوْ" کا فقرہ اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "ضرب کلیم" کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے بارہویں بند کے اس شعر میں آیا ہے ۔

لادینی و لاطینی! کس پیچ میں الجھا تو    دارو ہے ضعیفوں کا لَا غَالِبَ اِلَّا ھُوْ

اس شعر میں اقبال غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے مخاطب ہیں، جو ۱۹۲۲ء میں مغربی سامراجیوں کو شکست دے کر ترکی میں برسر اقتدار آئے۔ انہوں نے اقتدار میں آتے ہی اسلامی خلافت کو ختم کیا جس کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ سے شروع ہوا تھا۔ اصلاحات کے نام پر انہوں نے ترکی اور عربی رسم الخط کو ہٹا کر لاطینی رسم الخط رائج کیا، بہت سارے مساجد کو میوزیم میں تبدیل کردیا، خانقاہوں اور اسلامی اداروں میں تالہ بندی کر دی، مردوں اور عورتوں کو نیم عریاں مغربی لباس پہننا قانوناً لازمی قرار دیا اور اپریل ۱۹۲۸ء میں ترکی کا سرکاری مذہب اسلام آئین سے منسوخ کردیا۔

• اقبال نے کمال پاشا کو اس شعر میں یہ نکتہ ذہن نشین کرایا ہے کہ خدا نے ضعیفوں اور



کمزور قوموں کے لیے تو حقیقی معنوں میں مومن ہو کر غیروں پر غالب آنے کی بشارت دی ہے، مگر تم نے تو لادینی اور کفر کی راہ اختیار کرکے قوم کو مغربی نظام فکر و عمل کے مطابق مادیت کو فروغ دینے کی ٹھانی ہے جو اسلام کی نفی کرتی ہے۔

کمال پاشا کی لادینیت اور ان کی اس سمت میں ساری اصلاحات پر جنھوں نے اسلام کو ترکی سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا، تفصیلی طور پر کمال پاشا کے سب سے مستند سوانح نگار ایچ۔ سی۔ آرم اسٹرانگ نے اپنی کتاب "THE GREY WOLF" میں لکھی ہے جو ۱۹۳۷ء میں پینگوئن سیریز میں ان کی زندگی میں شایع ہوئی۔ یہ سوانح دنیا میں کمال پاشا کی سب سے مستند سوانح مانی جاتی ہے۔ جس میں کمال پاشا کی اسلام دشمنی تفصیل سے پیش کی گئی ہے۔

کمال پاشا اور اقبال دونوں کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ اقبال نے یہ شعر اپنے اور کمال پاشا کے انتقال کے کئی سال قبل لکھا کیونکہ یہ شعر "ضرب کلیم" کا ہے جس کی اشاعت اپریل ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔

**لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی** : یہ آیت سورۃ النجم کی آیت ۳۹ میں وارد ہے۔ فرمایا گیا ہے: ۔

"وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے)۔"

یہ آیت اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بانگ درا" کے "ظریفانہ" کے اس بند میں آئی ہے۔

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار    عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اسے ناسازگار
حکم حق ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی    کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

**وَقَدْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ** : یہ فقرہ سورۂ یونس کی آیت ۵۰ اور ان

میں وارد ہے۔ فرمایا گیا:

" (اے نبیؐ، ان منکرین) سے کہو: "کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ کا عذاب اچانک رات کو یا دن کو آجائے (تو تم کیا کر سکتے ہو؟) آخر یہ کون سی چیز ہے جس کے لئے مجرم جلدی مچائیں؟ کیا وہ جب تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانوگے؟ اب بچنا چاہتے ہو، حالانکہ تم خود ہی اس کی جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے (آلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ)"۔

(یونس ۵۰-۵۱)

یہ فقرہ اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بانگ درا" کے ظریفانہ" کے اس بند میں آیا ہے:

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے ۔۔۔ دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز ۔۔۔ ٹل نہیں سکتا وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

"کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام

چشمِ عالم دیکھ لے تفسیر حرف يَنْسِلُوْنَ

اقبال نے تیسرے شعر میں سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۶ کی منظوم ترجمانی کی ہے۔ یہ بند ۱۹۱۷ء میں روسی انقلاب سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔

اب اقبال کے کلام میں دو الفاظ والی چند قرآنی تلمیحات پیش ہیں:

**اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ، اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ**: پہلی تلمیح درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (حکم اس کے سوا کسی کا نہیں چلتا)۔ (یوسف، ۶۷)

"وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ۔ (اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے)" (الرعد، ۴۱)

دوسری تلمیح درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:



"فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ" (پس بالا و برتر ہے اللہ، بادشاہِ حقیقی) (طٰہٰ ۱۱۴)

"فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ" (پس بالا و برتر ہے اللہ، بادشاہِ حقیقی) (المومنون ۱۱۶)

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے) (النور ۴۲)

"اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے) (الفرقان ۲)

ان دونوں تلمیحوں سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی شعر "ضرب کلیم" کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے چوتھے بند کا یہ ہے ؎

افغان باقی! کہسار باقی! ۔۔۔ اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ! اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ!

**اَلْفَقْرُ فَخْرِيْ**: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"اَلْفَقْرُ فَخْرِيْ" (شانِ فقر میرے لئے باعثِ فخر ہے)

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "بانگ درا" کی نظم "خطاب بہ جوانانِ اسلام" میں ہے ؎

سماں اَلْفَقْرُ فَخْرِيْ کا رہا شانِ امارت میں ۔۔۔ "بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے حافظ شیرازی کی ایک مشہور غزل کے ایک مصرع کی تضمین کی ہے اور اسی لئے دوسرا مصرعہ واوین میں ہے۔

**اُمُّ الْكِتٰبِ**: اقبال نے "اُمُّ الْكِتٰبِ" کو اصطلاح کے طور پر اپنے کلام میں صرف ایک بار "ضرب کلیم" کی نظم "علم و عشق" کے درج ذیل آخری بند میں استعمال کیا ہے:

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام

شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام

علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

اس بند میں اقبال نے عشق کا سرچشمہ "اُم الکتاب" کو بتایا ہے جب کہ علم کا سرچشمہ وہ دنیوی کتابیں ہیں جن سے انسان ادراک حاصل کرتا ہے۔ عشق کا فلسفہ روزِ اول سے ایک ایسی کتاب میں ہے جو سب کتابوں کی ماں ہے اسی لئے اس کے جواز میں اقبال نے "ابن" اور "ام" کے الفاظ استعمال کئے۔ یہ اصطلاح درج ذیل آیات میں وارد ہوئی ہے:

"ہر دور کے لئے ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے (وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ)" (الرعد: ۳۸-۳۹)

"قسم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم لوگ اسے سمجھو اور درحقیقت یہ اُم الکتٰب میں ثبت ہے، ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے بھرپور کتاب ہے۔" (الزخرف: ۲ تا ۴)

یہ اصطلاح سورۃ آل عمران کی آیت۔ میں بھی وارد ہوئی ہے۔

"ام الکتاب" سے مراد ہے "اصل کتاب" یعنی وہ کتاب جس سے تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں ماخوذ ہیں۔ اسی لئے سورۃ البروج کی درج ذیل آخری دو آیات ۲۱ اور ۲۲ میں "لوح محفوظ" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور فرمایا گیا ہے:

"(ان کے جھٹلانے سے اس قرآن کا کچھ نہیں بگڑتا) بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ اس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے (فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ)"۔

**اِنَّ الْمُلُوْكَ:** یہ اصطلاح حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کے سلسلہ میں سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں وارد ہوئی ہے۔ جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو یہ خط بھیجا کہ وہ ان کے مقابلہ میں سرکشی نہ کریں اور مسلم ہو کر ان کے پاس حاضر ہو جائیں تو ملکہ نے سرداران قوم کو مشورہ کے لئے بلایا اور ان سے کہا:



"بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں (اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً) تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔" (النمل: ۳۴)

اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "بانگ درا" کی نظم "خضر راہ" کی ذیلی نظم "سلطنت" کا ہے ؎

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوْك
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

اقبال نے اس فقرے کو سامراجیت اور اس کے اثرات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس سے ان کی مراد سامراجیوں کی ملک گیری اور فاتح قوموں کو تباہ و برباد کرنے کی حکمت عملی ہے۔ اس پوری ذیلی نظم "سلطنت" میں اقبال نے در پردہ حکومتِ برطانیہ کو نشانہ بنایا ہے جس نے گاندھی جی کی جنگِ آزادی کے بڑھتے ہوئے شعلوں کو مدھم کرنے کے لئے ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۱۹ء کے تحت آئینی اصلاحات نافذ کیا جو نام نہاد تھیں۔

**بشیری، نذیری:** رسول اللہ ﷺ کی شان میں "بشیر" (بشارت دینے والا) اور "نذیر" (خبردار کرنے والا) قرآن کی بہت سی سورتوں میں وارد ہے جیسے سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیت ۴۵ میں فرمایا گیا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا" (اے نبی، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر)۔

اقبال نے ان دونوں اصطلاحوں کو اپنے کلام میں صرف دو جگہ الگ الگ معنوں میں ایک ساتھ استعمال کیا ہے۔ دونوں اشعار درج ذیل ہیں جن میں پہلا شعر "بال جبریل" کی نظم "دین و سیاست" کا ہے اور دوسرا "ضرب کلیم" کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے پندرہویں بند کا:-

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ اے بندۂ مومن تو بشیری، تو نذیری!

**خُلُقِ عَظِیم** : یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بالِ جبریل" کی نظم "مسجد قرطبہ" کے چھٹے بند کے اس شعر میں آئی ہے ؎

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار حاملِ "خلقِ عظیم"، صاحبِ صدق و یقیں

قرآن میں بھی یہ اصطلاح صرف ایک بار اور وہ بھی رسول اللہؐ کی شان میں سورۃ القلم کی درج ذیل آیت ۴ میں وارد ہوئی ہے۔ آپؐ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہے:

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ"۔ (اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو)

**شَرَاباً طَهُوْراً** : اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "بانگ درا" کی نظم "عشرتِ امروز" کا ہے ؎

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور

اقبال کی یہ اصطلاح سورۃ الدھر کی درج ذیل آیت ۲۱ سے ماخوذ ہے:

"وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوْراً" (اور ان کا رب ان (جنتیوں) کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔)

**عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ** : یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "ضرب کلیم" کی نظم "ذکر و فکر" کے اس شعر میں آئی ہے ؎

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کے جستجو کے مقام وہ جس کی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ

یہ تلمیح سورۃ البقرہ کے رکوع ۴ آیت ۳۱ میں وارد ہے۔ فرمایا گیا:

"اس کے بعد (حضرت آدمؑ میں روح پھونکنے کے بعد) اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے



نام سکھائے۔ (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا)"۔

**قَلْبٍ سَلِیْمٍ** : اس کے معنی صحیح سلامت دل کے ہیں یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو۔ یہ اصطلاح قرآن میں دو بار حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں دو الگ الگ سورتوں میں وارد ہے۔ پہلی بار سورۃ الشعراء کی آیت ۸۹ میں اور دوسری بار سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۸۴ میں۔

اس قرآنی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں کل دو درج ذیل اشعار ہیں۔ پہلا شعر "بانگ درا" کی نظم "جواب شکوہ" کے اکیسویں بند کا ہے اور دوسرا "ضرب کلیم" کی نظم "فقر و ملوکیت" کا:۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم

**قُلِ الْعَفْوَ** : اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ضرب کلیم" کی نظم "اشتراکیت" کا ہے ؎

جو حرفِ "قُلِ الْعَفْوَ" میں پوشیدہ ہے اب تک اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

"قُلِ الْعَفْوَ" کی اصطلاح اقبال نے سورۃ البقرہ کی درج ذیل آیت ۲۱۹ سے اخذ کی ہے۔ فرمایا گیا:

"پوچھتے ہیں: "ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں؟ (اے نبیؐ) کہو: "جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ (قُلِ الْعَفْوَ)"

**کُنْ فَیَکُوْنُ** : یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بال جبریل" کی غزل ۳ (دوم) میں آئی ہے ؎

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

قرآن میں "کُنْ فَیَکُوْنُ" کی ترکیب بہت سی سورتوں میں آئی ہے جیسے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۵۹، ۴۷، سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۷، سورۃ النحل کی آیت ۴۰، سورۃ یٰسین کی آیت ۸۲ اور سورۃ المومن کی آیت ۶۸ میں۔

یہ اصطلاح اردو زبان میں تخلیق یا پیدائش کے معنوں میں آتی ہے اور ان ہی معنوں میں اقبال نے اسے بطور اصطلاح مندرجہ بالا شعر میں استعمال کیا ہے۔ اس شعر میں اقبال نے یونانی فلسفیوں کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ خدائے تعالیٰ کائنات کو پیدا کر کے بے تعلق ہو گیا ہے بلکہ یہ نکتہ ذہن نشیں کیا ہے کہ

اس کی تخلیق ہر آن جاری ہے جس کی تصدیق سورۃ الرحمٰن کی درج ذیل آیت ۲۹ سے ہوتی ہے:

«ہر آن وہ نئی شان میں ہے (کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ)»۔

«کُنْ فَیَکُوْنُ» کے معنی ہیں: حکم دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے»۔

**کاف و نون**: اصطلاحوں کے وضع کرنے میں یہ اصطلاح بھی اقبال کی جدت ہے۔ گرچہ قرآن میں کُنْ جہاں بھی آیا ہے فَیَکُوْنُ کے ساتھ آیا ہے مگر اقبال نے بالکل اسی معنی میں "کُنْ" کی اصطلاح وضع کی جس سے "بانگ درا" کی نظم "شمع" میں دو اشعار ہیں۔ یہاں "کُنْ" کا لفظ نہ لاکر "کاف و نون" کی اصطلاح کو اس بزرجنگی سے استعمال کیا ہے کہ معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ "کاف و نون" کنایہ ہے لفظ "کُنْ" سے۔ اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ارمغان حجاز" کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے پہلے بند میں ہے جس میں ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے:

یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دنیائے دوں ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون

**لاتی و مناتی**: اقبال نے یہ اصطلاح "لات" اور "منوٰۃ" سے وضع کی ہے جن کا ذکر علی الترتیب سورۃ النجم کی آیات ۱۹ اور ۲۰ میں وارد ہے۔ اقبال کے کلام میں "لات و منات" کی تلمیح بھی ہے جس سے آٹھ اشعار ہیں جن میں پانچ "ضرب کلیم" میں ہیں اور باقی تین "ارمغان حجاز" میں۔ "لاتی و مناتی" سے اقبال کے کلام میں کل ایک ہی درج ذیل شعر "ضرب کلیم" کی نظم "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" میں ہے ؎

میں اصل کا خاص سومناتی آبا مرے لاتی و مناتی

اقبال نے اس شعر میں اپنی اصل بت پرست اور اپنے آباء و اجداد کو اسی لئے لاتی و مناتی کہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اقبال کے جدِ امجد کشمیری برہمن تھے جن کا گوت سپرو تھا۔ ان کے جد امجد سترہویں صدی عیسوی میں مشرف با اسلام ہوئے۔ اقبال نے چونکہ اپنی اصل "سومناتی" بتائی ہے۔ اس لئے اپنے کلام میں تین مواقع پر انہوں نے خود کو "کافر ہندی" کہا ہے۔ یہ تین مقام ہیں:



"بالِ جبریل" کی نظم "مسجد قرطبہ" کا تیسرا بند، اسی مجموعہ کی غزل ۲ (دوم)، اور "ضرب کلیم" کی نظم "امرائے عرب سے"۔

**لَا تَخَفْ**: اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں ایک ہی درج ذیل شعر "بال جبریل" کی غزل ۱۶ (دوم) کا ہے ؎

مثلِ کلیمؑ ہو اگر معرکہ آزما کوئی اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لَا تَخَفْ

اس شعر میں کلیم سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ لَا تَخَفْ کی اصطلاح حضرت موسیٰؑ ہی کے سلسلہ میں قرآن میں دو سورتوں میں وارد ہے۔ پہلی بار سورۃ النمل کی آیت ۱۰ میں اور دوسری بار سورۃ القصص کے رکوع ۴ کی آیت ۳۱ میں جس رکوع کی آیت ۳۰ میں اس درخت کا بھی ذکر ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو پکارا تھا۔

**لَا تَذَرْ**: یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بال جبریل" کی نظم "طارق کی دعا" کے اس شعر میں آئی ہے ؎

دلِ مرد مومن میں پھر زندہ کردے وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لَا تَذَرْ میں

"لَا تَذَرْ" کے معنی ہیں "نہ چھوڑ"۔ یہ اصطلاح قرآن کی سورۃ نوح کی آیت ۲۶ میں وارد ہے جس آیت میں حضرت نوحؑ کے بیان کو اقبال نے "نعرۂ لَا تَذَرْ" کا نام دیا ہے۔

**لَنْ تَرَانِیْ**: یہ تلمیح سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۳ میں وارد ہوئی ہے جس کے معنی ہیں "تو مجھے نہیں دیکھ سکتا"۔ خدائے تعالیٰ نے یہ جواب حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا، جب انہوں نے جیسا اسی آیت میں مذکور ہے، خدا سے التجا کی تھی کہ: "اے رب مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں"۔ اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں کل تین اشعار ہیں۔ ایک شعر "بانگ درا" کی غزلیات حصہ اول میں ہے، دوسرا اسی مجموعہ کی غزلیات حصہ سوئم میں اور تیسرا "ضرب کلیم" کی نظم "خاقانی" میں۔

**مَازَاغَ** : "زاغ" کے قرآنی معنی چوندھیانا اور "مَازَاغَ" کے معنی ہیں "نہیں چوندھیانا" "مَازَاغَ" کی ترکیب سورۃ النجم کی آیت ۱۷ میں واقعہ معراج کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے، جب کہ سدرۃ المنتہی پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا، مگر حضورؐ کی نہ نگاہ چوندھیائی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ ارشاد ہے :

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی

(نگاہ نہ چوندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی)

اقبال نے "مَازَاغَ" سے ایک اصطلاح یا ترکیب "صاحبِ مازاغ" وضع کی ہے جس سے مراد حضور اقدسؐ کی ذات بابرکات ہے۔ اس سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ضربِ کلیم" کی غزل (بعد از نظم "اساتذہ") کا ہے۔

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ مازاغ

**مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** : اس کے اصطلاحی معنی ہیں "ظاہر فریب چیز"۔ اس اصطلاح سے ل کے کلام میں ایک ہی درج ذیل شعر "ضربِ کلیم" کی نظم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ہے ؎

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا فریبِ سود و زیاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

"متاعِ غرور" قرآنی اصطلاح ہے اور اقبال نے اسے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۸۵ سے اخذ کیا ہے فرمایا گیا :۔

"آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ظاہر فریب چیز ہے (وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ)۔

**یَدِ بَیْضَآء** : جب خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں



کے پاس بھیجا تو ان کے ساتھ خدا نے اپنی ۹ نشانیاں بھی ساتھ دیں، جن نشانیوں کے عطا کئے جانے کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۰۳ میں وارد ہے، ان ۹ نشانیوں میں ایک "یَدِ بَیْضَآء" بھی ہے جس کا خصوصی ذکر سورہ طٰہٰ ۲۰ کی آیت ۲۲ اور سورۃ الشعراء کی آیت ۳۳ میں وارد ہے۔ اس کے لغوی معنی چمکتے ہوئے ہاتھ کے ہیں۔

اقبال نے "یدِ بیضا" کو بطور اصطلاح معجزہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس سے اقبال کے کلام میں کل ۲ درج ذیل اشعار ہیں۔ پہلا شعر "بالِ جبریل" کی غزل ۱ (دوم) کا ہے اور دوسرا "ارمغانِ حجاز" کی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کا :۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

اقبال نے استعارے کے طور پر "یدِ بیضا" کو درج ذیل ۲ اشعار میں بھی استعمال کیا ہے۔ جن پہلا شعر "بانگِ درا" کی نظم "سرگزشتِ آدم" کا ہے اور دوسرا اسی مجموعہ کی نظم "بلالؓ" (بعد از نظم "چاند") کا :۔

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور تک پہنچا چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰؑ پر

میرے مطالعہ کے مطابق اقبال کے کلام میں قریب ۷۰ (ستر) قرآنی تلمیحات ہیں جن میں قریب ۳۵ ہی کا ذکر اس مضمون میں طوالت سے بچنے کے لئے لایا گیا ہے۔ ان ۷۰ میں مشکل سے پانچ سات اقبال کے قبل کلام میں ملتا ہے اور اگر اقبال نے روایتی قرآنی تلمیحات جیسے "جنت" اور "حور" کو بھی استعمال کیا ہے تو ان کے معنی بدل دئے ہیں جیسے "بالِ جبریل" کی غزل ۲۰ کا یہ شعر ؎

علم میں بھی سرور ہے لیکن یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

استفسار و جواب

# غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے؟

جناب وارث ریاضی

سکٹا دیوراج، مغربی چمپارن، بہار

غنیۃ الطالبین کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے لیکن شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے:

واما حدیث جابر رأیت ربی مشاھدۃ لا شک فیہ، ففی ثبوتہ نظر ولا یغرنک وقوعہ فی غنیۃ الطالبین المنسوبۃ الی الغوث الاعظم عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز، فالنسبۃ غیر صحیحۃ والاحادیث الموضوعۃ فیھا وافرۃ۔

(نبراس، ص ۴۴۵)

نبراس کے فاضل محشی "فالنسبۃ غیر صحیحۃ" پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قولہ فالنسبۃ غیر صحیحۃ ویشھد قول الشیخ عبد الحق الدھلوی فی عنوان ترجمہ بالفارسیۃ: ہرگز ثابت نہ شدہ کہ این از تصنیف آں جناب است اگرچہ انتساب بہ آں حضرت شہرت دارد (ایضاً)

میرے ایک فاضل دوست مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی صاحب (جو مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کے ممتاز شاگردوں میں ہیں) نے ایک بار مجھ سے بتایا کہ مولانا اعظمیؒ نے اپنی ایک علمی مجلس میں اخبار الاخیار کے حوالے سے فرمایا کہ غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف نہیں ہے۔

مولانا مفتاحی نے مزید بتایا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فضل الباری میں مرتضیٰ زبیدی کے



حوالے سے لکھا ہے کہ غنیۃ الطالبین میں کچھ مضامین الحاقی ہیں

پچھلے دنوں خدا بخش لائبریری میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مذکورہ کتاب اخبار الاخیار (مطبوعہ مطبع مجیدی دہلی) میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے احوال و آثار پڑھنے کا موقع ملا "غنیۃ الطالبین" شیخ کی تصنیف ہے یا نہیں؛ اس میں کوئی ذکر نہیں ہے، اخبار الاخیار کا اردو ترجمہ بھی دیکھا، اس میں بھی غنیۃ الطالبین کا ذکر نہیں ہے۔

غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؛ اگر ہے تو کیا واقعی اس میں الحاقی مضامین ہیں۔

**معارف:**۔ غنیۃ الطالبین کے بارہ میں عام اور مشہور روایت یہی ہے کہ یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے، اخبار الاخیار میں شیخ عبدالقادر کے حالات میں غنیۃ الطالبین کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ اس میں ان کے مکتوبات کے نمونے ضرور پیش کر دیے گئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعض سوانح نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ غنیۃ الطالبین عبدالقادر الجیلی نام کے ایک دوسرے بزرگ کی تصنیف ہے مگر یہ بات اس لئے درست نہیں معلوم ہوتی کہ اول تو اس نام کے کسی بزرگ کی صراحت کہیں اور نہیں ملتی، دوسرے شیخ عبدالقادر کی نسبت الجیلی بھی نقل کی گئی ہے۔

البتہ یہ بات یقیناً اہمیت کی حامل ہے کہ غنیۃ الطالبین کے بعض مضامین الحاقی ہیں اور اس کی طرف متعدد اہلِ علم نے توجہ دلائی ہے، ہمارے خیال میں غنیۃ الطالبین تصنیف تو شیخ عبدالقادر ہی کی ہے مگر اس میں بکثرت الحاق کیا گیا ہے۔

ع۔ع۔

## معارف کی ڈاک

# مدیر "ہماری توحید" کی معروضات

دفتر ہماری توحید (پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳، ماہ مبارک رمضان ۱۴۲۱ھ/ ۳۰ر نومبر ۲۰۰۰ء

محب معظم! سلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

دعا ہے کہ مزاج گرامی رفقا و اعزا سب مع الخیر رہ کر برکات ماہ مبارک سے ثواب اندوز ہوں اور پھر عید سعید فطر کی لذتوں اور نعمتوں سے شاد کام رہیں۔ آمین

یہ عریضہ اس تقریب سے ہے کہ معارف بابتہ نومبر کے حوالے سے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں میرے معروضے ہیں:

(۱) ماہ نامہ شاعر ممبئی کے خصوص میں جو ارشاد ہوا، وہ سب بجا و درست لیکن سوال یہ ہے کہ ادب کی تخلیق[1] یا ٹی، وی چینل بھر سے کیا ہوتا ہے۔ اگر کتابوں کے قاری اور ٹی، وی نشریات سمجھنے والے نہ پیدا ہوں۔ اس موضوع پر کچھ مدت پہلے آپ نے جو مشرح اظہار خیال فرمایا تھا۔ ضرورت اس نہج پر کام کی ہے۔[2] گہرے صدمے کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اردو ہماری سماجی زندگی سے بدر ہو چکی ہے۔ اب

---

(۱) **معارف**: مکتوب نگار کے الفاظ میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی، تخلیق معارف کی زبان نہیں (۲) یہ اور آگے کے تمام ارشادات بجا ہیں لیکن اس سیکولر ملک میں اردو کو جو حقوق حاصل ہونے چاہیے تھے اگر ان سے اس کو بڑا ہتماً محروم کیا جائے اور اس کے ساتھ دوہرا معیار اختیار کیا جائے تو کیا اس سلسلے میں کوئی تگ و دو نہ کی جائے، اتر پردیش میں اردو کی ابتدائی تعلیم ختم کردی گئی تو کیا اس کی وجہ سے بی۔ اے اور ایم۔ اے میں طلبہ اردو نہ لیں اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے جو تین برس پہلے قائم ہوئی ہے فائدہ نہ اٹھائیں؟



شادی کارڈ وغیرہ میں بے تحاشہ انگریزی جگہ بنا رہی ہے۔

(۲) اردو پر جو ستم توڑے جارہے ہیں ان کے دفاع کے لئے کوئی مشنیری موجود نہیں ہے۔ ابھی چند ماہ پہلے اردو کے مقبول اردو ماہ نامہ نیا دور کو بند کیا جارہا تھا۔ لکھنؤ میں احتجاج ہوا۔ سرکار کی سیاسی ضروریات نے اس کی جان بچالی۔ لیکن لکھنؤ سے باہر شاید برائے نام ہل چل ہوئی ہو۔ اب نئے وزیر اعلیٰ کے سامنے بھی اس تجویز کے پیش کئے جانے کا خطرہ ہے۔ میں نے متنبہ کیا ہے۔ لیکن وہ میری ذات سے بغض رکھنے والے کرم فرماؤں کی خلش کا موجب بن گیا ہے۔ نفس مسئلہ کی ہولناکی نظر انداز کی جارہی ہے۔

جامعہ اردو کا 'معلم اردو' سند یافتہ امیدوار ملک کی بہت سی ریاستوں میں اردو ٹیچر کی جگہ پہ تقرر کے لئے اہل ہے۔ ہمارے اتر پردیش میں بھی تھا، لیکن اب یہ منظوری واپس لے لی گئی ہے، ایک ستم رسیدہ سلیم احمد ہائی کورٹ گئے تو ایک معین میعاد تک پاس ہونے والے تو اہل قرار پائے اس کے بعد والے محروم ہوگئے۔

سوال یہ ہے کہ اس کے لئے عام اردو والے، انجمن ترقی اردو اور خود جامعہ اردو والے یہ کام کہ معلم اردو کا استناد یوپی میں بحال ہو کیوں نہیں کر رہے ہیں؟

(۳) مطبوعات جدیدہ کے ذیل میں مرحوم پروفیسر مشیر الحق کشتۂ ستم کی کتاب "مولانا آزاد اور مسلم مسایل" پر مولانا حافظ عمیر الصدیق صاحب کا تبصرہ دیکھا۔ حیرت ہوئی کہ مرحوم پر ایسے دیدہ ور فاضل نے یہ رائے ظاہر کی کہ "اگر تقسیم ملک کے بعد کوئی سامنے آیا تو وہ مولانا آزاد ہی تھے"۔ مولانا مرحوم کی بے غایت و بہ عظمت خدمات سے انکار نہیں لیکن کابینہ کا ایک سینئر رکن بڑی حد تک سامنے نہیں آسکتا تھا۔ پس پردہ البتہ بہت کچھ کر سکتا تھا اور یقیناً مولانا آزاد نے کیا بھی۔ لیکن مورچے پر سب کے سامنے مولانا حفظ الرحمن صاحب رہے۔ اسی استقامت نے انہیں مجاہد ملت بنایا۔ ایک

حاتک مولانا مدنی صاحب بھی رہے۔

(۴) اصل کتاب میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ تبصرے کے پیشِ نظر عرض کر رہا ہوں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب کی تسوید کے قریبی زمانے میں مشیر صاحب کو غبارِ خاطر پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے وہ تذبذب کی کیفیت میں لکھ گئے کہ :

"مولانا آزاد کی قید و بند کی تحریروں کو صرف غبارِ خاطر تک محدود رکھنے پر (ان کو) تعجب ہے ... اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا گیا ہوگا۔"

'ہوگا' کی بات نہیں تحقیق سے معلوم ہے کہ لکھا گیا۔ ملاحظہ ہو، مولانا فرماتے ہیں :

"... ۹ اپریل ۱۹۴۳ء کے حادثہ کے بعد ... بھی بعض مصنفات کی تسوید و ترتیب کا کام جاری رہا۔" ص۳

اسی مکتوب نسیم باغ سری نگر کشمیر مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۴۵ء میں آگے رقم طراز ہیں :

"مکتوبات کے دو حصے کر دئے ہیں۔ غیر سیاسی اور سیاسی۔ یہ مجموعہ صرف غیر سیاسی مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کے تمام مکاتیب بلا استثنا آپ کے نام ... ہیں۔" ص۱۰

۹ جنوری ۱۹۴۳ء کے خط میں احمد نگر سے رقم طراز ہیں:

"کل ایک زیر تسوید کتاب کا ایک خاص مقام لکھ رہا تھا۔" ص۱۸۰

یہ مقامات راقم عاجز نے محض اپنی یاد کے سہارے سے تلاش کئے ہیں۔ اگر 'غبارِ خاطر' کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو اور مقامات ملنے کا امکان ہے۔ یہ حوالے مالک رام صاحب کے مرتبہ اور ساہتیہ اکادمی کے منشورہ نسخے کی دوسری طباعت ۱۹۸۳ء سے لئے گئے ہیں۔

اب یہ کون بتائے کہ قلعہ احمد نگر میں زیر تسوید مسودے اور سیاسی مکتوبات کا مجموعہ کس کی تحویل میں ہے یا غارت گیا؟ فیروز بخت احمد صاحب شاید کچھ روشنی ڈال سکیں!



(۴) "تذکرۂ گلشن ہند اور علامہ شبلی نعمانی" میں فاضل مضمون نگار سوئے فہم کے شکار ہوگئے ہیں اور یہ ملاحظہ ادارتی احتساب و تحشیہ سے بچ نکلا کہ:

"... خلد مکان اورنگ زیب عالم گیر کا تاریخی نام تھا" فاضل نویسندہ کو عالم گیر کا سنہ ولادت تحقیق کر کے ابجدی اعداد کا شمار کر لینا چاہئے تھا۔ اصل یہ ہے کہ یہ وہ تعظیمیہ ہے جو بڑوں کے نام سے بعد وفات جوڑتے ہیں۔ بندۂ جاہل اسے 'وفاتی لقب' لکھتا اور کہتا ہے۔ امیر مینائی یا داغ دہلوی کا مصرعہ ہے ؏

"وہ چلے تھے فقط خلد آشیاں تک"

معلوم ہوا کہ 'خلد آشیاں' کسی مرحوم نواب رام پور کا وفاتی لقب تھا۔ میں دور چلا گیا اس وقت لکھنؤ کے جس حسینیہ میں فقیر کا تکیہ ہے' وہ غفران مآب کا امام باڑہ خاص و عام میں دور دور مشہور ہے۔ یہ بات اخص خواص ہی جانتے ہیں کہ یہ امام باڑہ مولوی سید دلدار علیؒ (متوفی ۱۲۳۵ھ) کی تعمیر ہے۔ ان بزرگوار کا وفاتی لقب 'غفران مآب' قرار پایا اور اسی نام سے عزا خانے کی شہرت ہوئی۔ عریضہ طویل ہوگیا کیا کروں کہ ایسے مواقع پر مجھ سے چپ نہیں رہا جاتا۔ فقط

والسّلام علیکم جمیعاً یا انصار الاسلام والمسلمین۔

راقم عاجز : سبط محمد نقوی

---

## ادبیات

# اے ارضِ فلسطین!

از جناب قمر سنبھلی*

اُف! ظلم کا یہ سلسلۂ لا متناہی — کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے لاشوں کو سپاہی
دیتے ہوئے ہر گام شہادت کی گواہی — دامن میں لئے اپنے وہ ناکردہ گناہی

محروم وطن سے ہیں وطن ہی میں ستم ہے
اے ارضِ فلسطیں! تری عظمت کی قسم ہے

بارود سے جھلسی ہوئی لاشوں کے نظارے — ماؤں کی تمنائیں، وہ بوڑھوں کے سہارے
آنچل وہ کسی سر کا، کسی "مانگ" کے تارے — ہیں شوقِ شہادت لئے سینوں میں وہ سارے

ہر جور و ستم ان پہ بہ اندازِ کرم ہے
اے ارضِ فلسطیں! ........

معصوم تڑپتے ہوئے بچوں کی وہ آہیں — برماتی ہوئی روح کو دل دوز کراہیں
رہ رہ کے فلک کی طرف اٹھتی ہیں نگاہیں — ہر اہلِ وطن ڈھونڈتا پھرتا ہے پناہیں

سینوں میں ہمارے تری روداد رقم ہے
اے ارضِ فلسطیں! .........

ایمان کو دامن میں سنبھالے ہوئے ہر دم — اسلام کا ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پرچم
ہونے کو چلے قبلۂ اول پہ فدا ہم — کیا سامنے باطل کے بھلا ہوگا وہ سرخم

جو سر کہ فقط سامنے اللہ کے خم ہے
اے ارضِ فلسطیں! ........

---

* ۵۵۰۲ نمبر (نئی سڑک) دہلی ۱۱۰۰۰۶



دیکھے تو ذرا کوئی ادھر آنکھ اٹھا کر — رکھ دیں گے ہر اک مدِ مقابل کو مٹا کر
خاطر میں کسی جادۂ مشکل کو نہ لا کر — دم لیں گے بس اب قبلۂ اول کو چھڑا کر

یہ عزمِ صمیم اپنا اب ایک ایک قدم ہے
اے ارضِ فلسطیں! ......

جذبات کا دل میں لئے طوفان مجاہد! — سینے میں سمائے دولتِ ایمان مجاہد
ہونے کو تری آن پہ قربان مجاہد — ہے اپنی ہتھیلی پہ لئے جان مجاہد

دنیا میں مثال اس کا ہر اک نقشِ قدم ہے
اے ارضِ فلسطیں! ......

باطل کے لئے حق و صداقت کی ہے شمشیر — وہ صبر و یقیں، جذبۂ ایثار کی تصویر
تخریب کے طوفان میں اک صورتِ تعمیر — ہر پیکر میں "مجاہد" کے ہے ایمان کی تفسیر

ہونٹوں پہ ہے تسبیح تو ہاتھوں میں علم ہے
اے ارضِ فلسطیں! ......

کس شان سے ہو ظلم سے تم برسرِ پیکار — جینا تمہیں اپنے ہی وطن میں ہوا دشوار
ہر گام تمہارا رہے اللہ مددگار — کرتا ہے "سلام" اہلِ فلسطیں تمہیں فنکار

لاریب تمہارے لئے وا بابِ کرم ہے
اے ارضِ فلسطیں! .....

قرآن کی آیات میں ہو جس کی فضیلت — جس ارضِ مقدس پہ ہو نبیوں کی جماعت
فرمائیں "شہنشاہِ رسل" جس کی امامت — ہم گھٹنے نہ دیں گے قمر اس کی کبھی عظمت

ماتھے پہ ہمارے یہی تحریر رقم ہے
اے ارضِ فلسطیں! تری عظمت کی قسم ہے

## مطبوعات جدیدہ

**قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے** از جناب ڈاکٹر غلام قادر لون، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۲۵۶، قیمت ۱۳۰ روپے، مجلد ۱۷۰ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی ۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵۔

اس کتاب میں مسلمان سائنسدانوں اور سائنس کے مختلف شعبوں میں ان کی خدمات کا جائزہ اس مقصد سے لیا گیا ہے کہ عام علمی حلقوں اور خاص طور پر مسلمانوں کی نئی نسل کی یہ غلط فہمی دور ہو کہ سائنس صرف یورپ کا کارنامہ ہے۔ بلکہ حقیقت تو ہے کہ معدنیات، نباتیات، حیوانیات، کیمیا، طبیعیات، فلکیات اور ریاضی و طب میں جدید سائنس کے تمام اصول و نظریات کی بنیاد مسلمان سائنسدانوں کی ایجاد و تحقیق پر قائم ہے اور اس باب میں اولیت کا شرف صرف ان کو حاصل ہے، لائق مولف نے بڑے سلیقے اور محنت سے علمار و حکمائے اسلام کے ایجادات و انکشافات کی تفصیل مستند مآخذ کی مدد سے بیان کر دی ہے اور کوشش کی ہے کہ ان کے اعتراف فضل و کمال میں خود یورپ کے اقوال و آرا ر پیش کئے جائیں نیز اس کی غلط بیانیوں کی جانب اشارہ بھی ہو جائے، اس طرح یہ مفید و پُر از معلومات کتاب اپنے مقصد میں بخوبی کامیاب ہے، کتاب میں اس اہم سوال کا جواب بھی پوشیدہ ہے کہ آخر یہ سرچشمہ علم و حکمت بلاد اسلامیہ میں کیوں خشک و بے فیض ہوا؟ کتاب کا اسلوب سنجیدہ اور غیر جذباتی ہے، شخصیات کے سال ولادت و وفات کا التزام بھی ہے، کتابت کی خوبی بھی قابلِ ذکر ہے کہ شاذ ہی کوئی سہو نظر آتا ہے، البتہ ص ۲۶۶ پر ایک انگریزی جملے کا یہ ترجمہ زیادہ واضح نہیں



کہ "سارٹن نے علی بن عباس کو ممبر اسلام کے عظیم ترین اطبار میں شمار کیا ہے"۔ موضوع کی اہمیت، مباحث کی افادیت اور سخت کاوش و محنت کی وجہ سے یہ کتاب قابلِ قدر اور خاص طور پر نوجوانوں اور طالب علموں کے لئے بہت مفید ہے۔

**اردو میں حمد و مناجات** از جناب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت مجلد، صفحات ۲۸۰، قیمت درج نہیں، پتہ: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار کراچی۔

حمد و نعت، منقبت و مرثیہ اور دعا و سلام و مناجات، روزِ اول سے اردو شاعری کے لازمی عناصر ہیں، قدیم و جدید شاعری میں ان اصناف کا وجود ایک پاکیزہ ثقافتی روایت کے تسلسل کا عکاس اور ثبوت ہے، اس کے باوجود غزل، نظم، قصیدہ و مثنوی پر نقادوں کی نظر اور توجہ زیادہ رہی اور حمد و نعت وغیرہ کو شاید محض تبرک کی نظر سے دیکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کی اس مذہبی شاعری کے ادبی محاسن اور فنی مراتب کی قدر و قیمت کے تعین کی جانب سنجیدہ اعتنا گویا کیا ہی نہیں گیا، اس کتاب کے لائق مصنف نے ڈاکٹریٹ کے لئے "اردو شاعری میں مذہبی رجحانات" کا عنوان منتخب کیا تو حمدیہ، نعتیہ اور مناجاتی شاعری کے مطالعہ کا در خاص طور پر وا ہوا، چنانچہ ان کے کئی مضامین معارف میں شایع ہوئے اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے، یہ زیرِ نظر کتاب میں بھی شامل ہیں، حمدیہ شاعری کی تاریخ اس کا صوفیانہ و فلسفیانہ مزاج اور قرآن مجید کی اثر آفرینی کے علاوہ مناجاتی شاعری کی بحث میں قدما سے موجودہ دور تک کی شاعری کا دیدہ ریزی و جاں کاہی سے مطالعہ و جائزہ لیا گیا ہے اور لائق مصنف کے نتائج و استنباطات درست اور معقول ہیں، البتہ بعض مقامات پر حسن ظن بھی غالب ہے جیسے انشار کے ذکر میں الم ترکیف اور الفیل بالفیل کے الفاظ کی موجودگی سے ان کی مذہبی پختگی ثابت کی گئی ہے، مصحفی کے کلام کے متعلق یہ کہنا کہ "اس کی اپنی کوئی امتیازی خصوصی حیثیت

نہیں؟ انصاف نہیں' قرآن مجید کے اثرات کی بحث میں بھی بعض آیات کی تطبیق میں تکلف نظر آتا ہے جیسے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" کی توضیح میں درد کی ایک رباعی اور حمدیہ اشعار کی مثال میں فیض کا ایک شعر۔ یہ خیال وادعا درست ہے کہ اردو تنقید میں پہلی بار اس مضمون سے اعتنا کیا گیا، زبان و اسلوب بھی شائستہ ہے، لیکن گو کہ، اگر چہ کہ، ہمہ جہتی پہلو، حسب مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے، اور "راقم نے سب سے پہلے اس صنف کو تحقیق و تنقید کا نشانہ بنایا۔" "ان کا مختصر سا دیوان تصوف وعرفان کا جویا ہے۔" جیسے الفاظ اور جملے مزید توجہ اور احتیاط کے متقاضی ہیں کتابت کی غلطیاں بھی خاصی ہیں مثلاً تمجید' فروانی' شیرنی' بے جا پوری' مشاہرین' جمودی کیفیات وغیرہ آئندہ اڈیشن میں اغلاط کی تصحیح ضروری ہے۔

## سفر نامہ اقبال

از جناب حمزہ فاروقی، متوسط تقطیع' عمدہ کاغذ وطباعت' مجلد صفحات ۲۵۹' قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: اقبال اکادمی' ۱۱۶- میکلوڈ روڈ' لاہور۔

۱۹۳۰ء میں لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے علامہ اقبال نے یورپ کا ایک اور سفر کیا تھا' ان کے رفقاء میں مشہور عالم وصحافی مولانا غلام رسول مہر بھی تھے' جنھوں نے اپنے اخبار انقلاب کے لئے اس سفر کے احوال و کوائف پیش کرنے کا اہتمام کیا تھا، اس سفر میں گوا ٹی اور مصر و فلسطین بھی شامل تھے، جہاں مسولینی سے ملاقات' اوقاف فلسطین اور موتمر اسلامی اور مقامات مقدسہ کی زیارت اور اس کی روداد کم دلچسپ نہیں لیکن انگلینڈ میں گول میز کانفرنس اور دوسری سیاسی تقریبات کے موقع پر علامہ اقبال نے جن سیاسی خیالات کا اظہار کیا اس کی روداد اب تاریخ ہند و پاک کے قارئین کے لئے یقیناً فائدے سے خالی نہیں' اخبار کے صفحات میں منتشر ہونے کی وجہ سے اس قیمتی ذخیرے کے تلف و ضائع ہونے کا اندیشہ تھا جس کے پیش نظر اس کتاب کے فاضل مولف نے ان تحریروں اور بعض دوسرے متعلقات کو خوبی و عمدگی سے جمع و مرتب کر کے سفر نامہ اقبال کے نام سے پچیس سال پہلے شایع کیا تھا۔ اب اس طبع جدید میں بعض اغلاط طباعت کی تصحیح کے علاوہ چند مضامین نو کا بھی اضافہ ہے جس سے اس کی افادیت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔